فہرست

اس شمارے میں

اس شمارے میں	نعیم احمد	۴

قرآنیات

البیان: ابراہیم ۱۴: ۵-۲۷ (۲)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

غیبت کے بارے میں حکم	امین احسن اصلاحی	۱۵

مقامات

شریعت کی سزائیں	جاوید احمد غامدی	۱۷

سیر و سوانح

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (۱)	محمد وسیم اختر مفتی	۲۰

نقطۂ نظر

اسلام اور خلافت	ریحان احمد یوسفی	۲۷
بعد از موت (۷)	رضوان اللہ	۴۰

ادبیات

غزل	جاوید احمد غامدی	۴۹

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نعیم احمد

''قرآنیات'' میں حسب سابق جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شامل اشاعت ہے۔ یہ قسط سورۂ ابراہیم (۱۴) کی آیات ۵-۲۷ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی اسی مقصد سے مبعوث فرمایا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ تمام رسولوں اور ان کی قوموں کی سرگذشت اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ راہ حق میں بہت آزمایشیں پیش آتی ہیں۔ جو توحید پر قائم رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت، دونوں میں کامیابی سے نوازے گا۔

''معارف نبوی'' میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے مضمون ''غیبت کے بارے میں حکم'' میں غیبت کے ایک برا عمل ہونے کی وضاحت کی گئی ہے۔

''مقامات'' میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا مضمون ''شریعت کی سزائیں'' شائع کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے اپنی کتاب ''میزان'' اور ''برہان'' میں بیان کی گئی شرعی سزاؤں کا خلاصہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چند اہم توضیحات بھی بیان کی ہیں۔

''سیر و سوانح'' کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون کے پہلے حصے میں جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی اور ان کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے۔

''نقطۂ نظر'' کے تحت ریحان احمد یوسفی صاحب نے اپنے مضمون ''اسلام اور خلافت'' میں بیان کیا ہے کہ خلافت کا قیام کوئی دینی حکم نہیں کہ جس کے قیام کے لیے جدوجہد کی جائے۔ اسی کے تحت رضوان اللہ صاحب نے اپنے مضمون ''بعد از موت'' کے ساتویں حصے میں بیان کیا ہے کہ عدل کے دن اعمال کے لحاظ سے جن کے پلڑے بھاری ہوں گے، وہ کامیاب اور جن کے پلڑے ہلکے رہ جائیں گے، وہ ناکام ٹھیریں گے۔

''ادبیات'' میں جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک غزل شائع کی گئی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ابراهيم

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾

ہم نے (اِسی طرح) موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تھا[۷] کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤ اور اُنھیں خدا کے (اُن) دنوں کی یاد دلاؤ (جن میں اُس کی دینونت کا ظہور ہوا ہے[۸])۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اِس میں ہر اُس شخص کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو (خدا کی آزمایشوں میں) صبر اور (اُس کے افضال و عنایات پر) شکر کرنے والا ہو[۹]۔ ۵

۷؎ یہ اُن نشانیوں کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر اتمام حجت کے لیے دی گئی تھیں، جیسے عصا اور ید بیضا وغیرہ۔

۸؎ یعنی جزا و سزا کے فیصلے ہوئے ہیں اور خدا نے رسولوں کے منکرین پر اِسی دنیا میں اپنا عذاب نازل کر دیا ہے، جیسے قوم نوح، قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہ۔ قرآن میں یہ تعبیر اِنھی ایام کے لیے اختیار کی گئی ہے۔

۹؎ یہی دو صفات ہیں جو آدمی کے اندر موجود ہوں تو وہ آیات الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا اور اُن سے عبرت حاصل کرتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿٦﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿٧﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٨﴾

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ

یاد کرو، جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ کی اُس نعمت کو یاد رکھو، جب اُس نے تمھیں فرعون کے لوگوں سے چھڑایا جو تمھیں نہایت برے عذاب دیتے تھے، وہ تمھارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ تمھارے پروردگار کی طرف سے اِس میں[10] (تمھارے لیے) بڑی عنایت تھی۔ اور یاد کرو، جب تمھارے پروردگار نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میری سزا بھی بڑی سخت ہے[11]۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر تم ناشکری کرو اور زمین کے سارے لوگ بھی (اِسی طرح) ناشکرے ہو جائیں (تو خدا کا کچھ نہیں بگاڑو گے)، اِس لیے کہ اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے[12]۔ ۶-۸

تمھیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں؟ قوم نوح، عاد و ثمود اور جو اُن کے بعد

[10] یعنی اِس مصیبت سے چھڑانے میں۔

[11] اس وقت چونکہ یہود بھی در پردہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے لیے سرگرم ہو چکے تھے، اِس لیے یہ بات اللہ تعالیٰ نے اُنھیں براہ راست خطاب کر کے کہہ دی ہے۔

[12] یہ غالباً اُسی تقریر کا خلاصہ ہے جو بائیبل کی کتاب استثنا میں بڑے شرح وبسط کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ تقریر اپنی وفات سے کچھ پہلے صحراے سینا میں بنی اسرائیل کے سامنے فرمائی تھی۔ اِسے کتاب استثنا کے ابواب ۴، ۶، ۸، ۱۰، ۱۱ اور ۲۸ تا ۳۰ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بَعۡدِ هِمۡ لَا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِيۡۤ
اَفۡوَاهِهِمۡ وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَيۡهِ
مُرِيۡبٍ ﴿۹﴾ قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَدۡعُوۡكُمۡ
لِيَغۡفِرَ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرَكُمۡ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثۡلُنَا تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۰﴾
قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ

ہوئے ہیں، جنھیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اُن کے رسول اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو اُنھوں نے اپنے ہاتھ اُن کے منہ میں دے دیے[13] (کہ خاموش ہو جاؤ) اور کہہ دیا کہ جو تمھیں دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اُس کو نہیں مانتے اور جس چیز کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو، اُس کے بارے میں ہم ایسے شک میں پڑ گئے ہیں جو سخت الجھن میں ڈال دینے والا ہے۔ اُن کے رسولوں نے کہا: کیا خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا وجود میں لانے والا ہے[14]؟ وہ تمھیں بلا رہا ہے کہ تمھارے گناہوں میں سے معاف فرمائے (جو اِس سے پہلے تم سے ہوئے ہیں) اور تم کو ایک مقرر مدت تک مہلت دے۔ اُنھوں نے جواب دیا: تم ہماری طرح کے ایک آدمی ہی ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں اُن چیزوں کی بندگی سے روک دو جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں۔ (یہی بات ہے) تو ہمارے

www.javedahmadghamidi.com

۱۳؎ اصل الفاظ ہیں: 'فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِيۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ'۔ جب کوئی شخص غصے اور نفرت سے کسی کو بات کرنے سے روکنا چاہتا ہے تو اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے کہ زبان بند کرو، اِس کے بعد ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالو۔ یہ اِسی صورت حال کی تعبیر ہے۔ لفظ 'رَدُّوۡا' یہاں 'جَعَلُوۡا' کے معنی میں ہے اور یہ لفظ اِس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۴؎ یہ سوال استعجاب کی نوعیت کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کو تو تم مانتے ہو۔ ہم جس چیز کی طرف تمھیں بلا رہے ہیں، وہ اِس کے سوا کیا ہے کہ بندگی کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ یہ تو خدا کو ماننے کا لازمی نتیجہ ہے۔ تم اِسے نہیں مان رہے تو پھر کیا خدا کے بارے میں کسی شک میں پڑ گئے ہو؟

عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى
مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ
لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ

سامنے کوئی کھلا ہوا معجزہ لاؤ۔[15] اُن کے رسولوں نے اُن سے کہا: بے شک، ہم تمھاری ہی طرح کے آدمی ہیں، مگر اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، فضل فرماتا ہے۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ اذن الٰہی کے بغیر ہم تمھیں کوئی معجزہ لا دکھائیں۔ (سو تمھارا یہ مطالبہ اللہ کے حوالے ہے) اور ایمان والوں کو چاہیے کہ (اِس طرح کے معاملات میں) اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔ اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسا رکھیں، جبکہ ہمارے (یہ) راستے اُسی نے ہمیں بتائے ہیں۔ تم جو اذیت بھی ہمیں دے رہے ہو، ہم اُس پر ہر حال میں صبر کریں گے اور (اللہ پر بھروسا کریں گے، اِس لیے کہ) بھروسا کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ (اِس پر) منکروں نے اپنے رسولوں سے کہہ دیا کہ ہم تم کو اپنی اِس سرزمین سے لازماً نکال دیں گے یا تمھیں (بالآخر) ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا۔[16] تب اُن کے پروردگار نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ ہم اِن ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور اِن کے بعد تمھیں اِس ملک میں آباد کریں گے۔[17] یہ (بشارت ہے) اُن کے لیے جو میرے حضور (جواب دہی کے لیے) کھڑے

۱۵؎ مطلب یہ ہے کہ اپنے معبودوں کے بارے میں ایسی سنگین بات ہم اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی کس طرح مان سکتے ہیں۔ ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ جس کو دیکھ کر یقین آ جائے کہ تم فی الواقع خدا کے بھیجے ہوئے ہو۔

۱۶؎ یہ اُنھوں نے اپنے گمان کے مطابق کہا ہے، اِس لیے کہ دعوت سے پہلے وہ یہی سمجھتے تھے کہ رسول بھی اُسی مذہب پر ہیں جو اُنھوں نے اپنے لیے اختیار کر رکھا ہے۔

۱۷؎ رسولوں کے باب میں یہی خدا کی سنت ہے۔ ہم اِس کتاب میں جگہ جگہ اِس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

وَ خَافَ وَعِيْدِ ﴿١٤﴾

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿١٥﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ
مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ
وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿١٧﴾

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ
عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٨﴾
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ

ہونے سے ڈرے اور جو میری وعید سے ڈرے۔ ۹-۱۴

اُنھوں نے فیصلہ چاہا تھا، (سو فیصلہ ہو گیا) اور (اُس کے نتیجے میں) ہر سرکش ضدی نامراد ہوا۔ (اب) اُس کے آگے دوزخ ہے۔ وہاں اُس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ وہ اُس کو گھونٹ گھونٹ پیے گا اور گلے سے اتار نہ سکے گا۔ موت ہر طرف سے اُس پر پلی پڑ رہی ہو گی، لیکن مرنے نہ پائے گا اور آگے ایک اور سخت عذاب اُس کا منتظر ہو گا۔ ۱۵-۱۷

جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا ہے[۱۸]، اُن کے اعمال[۱۹] کی مثال اُس راکھ کی سی ہے جس پر آندھی کے دن تند و تیز ہوا چل جائے۔ اُنھوں نے جو کچھ کیا ہو گا، اُس میں سے کچھ بھی نہ پا سکیں گے۔ یہی دور کی گمراہی ہے[۲۰]۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا

۱۸؎ یعنی جانتے بوجھتے اُس کے شریک ٹھیرائے ہیں۔ شرک اپنی حقیقت کے لحاظ سے کفر ہی ہے، اِس لیے کہ دین میں خدا کا صرف وہی ماننا تسلیم کیا جاتا ہے جو توحید پر پورے ایمان کے ساتھ ہو۔ چنانچہ آیت میں 'الَّذِيْنَ كَفَرُوْا' سے مراد مشرکین قریش ہی ہیں جو سورہ کے مخاطب ہیں۔

۱۹؎ اِس سے، ظاہر ہے کہ اُن کے وہ اعمال مراد ہیں جو اُنھوں نے اپنی طرف سے نیکی کے اعمال سمجھ کر کیے ہوں گے۔ قرآن نے یہ بات جگہ جگہ واضح کر دی ہے کہ شرک کے ساتھ کوئی عمل بھی خدا کے ہاں مقبول نہیں ہے۔

جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾
وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَھَلْ
اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ قَالُوْا لَوْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَھَدَیْنٰکُمْ سَوَآءٌ
عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ﴿۲۱﴾
وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّکُمْ
فَاَخْلَفْتُکُمْ وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ

ہے۔(یہ اُس کی دی ہوئی مہلت ہے کہ وہ تمھارے اِس کفر وشرک کو گوارا کر رہا ہے)۔ وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق (تمھاری جگہ) لے آئے۔ یہ اللہ پر کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔۱۸-۲۰

(یہ مہلت بہت جلد ختم ہو جائے گی) اور سب خدا کے روبرو نکل کھڑے ہوں گے۔[۲۱] پھر جو کمزور تھے وہ اُن سے جو بڑے بنے ہوئے تھے، کہیں گے: ہم تمھارے پیچھے چلنے والے تھے تو کیا اللہ کے عذاب سے ہمیں کچھ بچا لو گے؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں راہ دکھائی ہوتی[۲۲] تو ہم بھی تمھیں راہ دکھاتے۔ اب ہمارے لیے یکساں ہے کہ چیخیں چلائیں یا صبر کریں، ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔۲۱

اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، (سو اُس نے وہ پورا کر دیا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، مگر میں نے تمھارے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے۔ میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا، میں نے اِس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ تمھیں دعوت دی اور تم نے میری

۲۰؎ یعنی ایسی گمراہی ہے جس سے لوٹ کر آنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا۔

۲۱؎ مطلب یہ ہے کہ کسی کے لیے کوئی پردہ یا اوٹ باقی نہیں رہے گی، تمام سہارے ختم ہو جائیں گے اور لوگ تنہا اور بے یارومددگار خدا کے حضور پیش ہو جائیں گے۔

۲۲؎ یعنی اِس بات کی توفیق دی ہوتی کہ عقل سے کام لیتے اور دنیا ہی میں صحیح راستہ دیکھ لیتے۔

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ
كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾
وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ
وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ
الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

دعوت پر لبیک کہا۔ اِس لیے مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ اب نہ میں تمھاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ تم نے جو مجھے شریک ٹھیرایا تھا، میں نے اُس کا پہلے ہی انکار کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِسی طرح کے ظالم ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔۲۲

(اِس کے برخلاف) جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے ہیں، وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اپنے پروردگار کے اذن سے وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ اُن کی ملاقات اُن باغوں میں (ایک دوسرے پر) سلامتی ہو گی۔۲۳

(یہ اِس لیے کہ اُن کے علم و عمل کی بنیاد ایک کلمۂ طیبہ[23] ہے)۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کی مثال کس طرح بیان فرمائی ہے؟ وہ ایک شجرۂ طیبہ کے مانند ہے جس کی جڑیں زمین میں اتری ہوئی اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں[24]۔ وہ اپنے پروردگار کے اذن سے اپنا پھل ہر فصل میں دیتا رہتا ہے[25]۔ (یہ کلمۂ طیبہ کی مثال ہے) اور اللہ لوگوں کے لیے تمثیلیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں[26]۔۲۴-۲۵

۲۳؎ یعنی کلمۂ توحید اور اُس پر مبنی عقائد و نظریات۔

۲۴؎ اصل الفاظ ہیں: 'اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ'۔ اِس میں مقابل کے الفاظ عربیت کے اسلوب

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

اور (اِس کے مقابل میں) کلمۂ خبیثہ[27] کی مثال ایک شجرۂ خبیثہ کی[28] ہے جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے، اُس کو کوئی ثبات نہ ہو[29]۔ ۲۶

پر حذف ہو گئے ہیں۔ اِنھیں کھول دیجیے تو گویا پورا جملہ یہ ہے: 'أَصْلُهَا ثَابِتٌ فِى الْاَرْضِ وَفَرْعُهَا عَالٍ فِى السَّمَآءِ'۔

۲۵؎ یعنی سدا بہار ہے، اُس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔

۲۶؎ یہ قریش کو متنبہ فرمایا ہے کہ وہ چیتیں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ اِس تمثیل کے ذریعے سے اُنھیں جن حقائق کی یاددہانی کرا رہا ہے، وہ کیا ہیں؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کلمۂ توحید کی تمثیل ایک ایسے درخت سے دے کر قرآن نے ایک حقیقت تو یہ واضح فرمائی کہ اِس کی جڑیں انسانی فطرت کے اندر بھی گہری اتری ہوئی ہیں اور عنداللہ بھی یہ سب سے زیادہ قدر و قیمت رکھنے والی حقیقت ہے۔ گویا زمین و آسمان، میں جو مقام اِس کو حاصل ہے، وہ کسی اور چیز کو حاصل نہیں۔

دوسری حقیقت یہ واضح فرمائی کہ اِس کو انسانی فطرت کے اندر سے بھی برابر غذا اور قوت حاصل ہوتی رہتی ہے اور اوپر سے بھی برابر ترشحات اِس پر نازل ہوتے رہتے ہیں جو اِس کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھتے ہیں۔

تیسری حقیقت یہ واضح فرمائی کہ اِس کی برکات ابدی اور دائمی ہیں۔ اِس کا فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ جس کے سینے میں یہ نور موجود ہے، وہ ہمیشہ آسودہ اور شادکام رہتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۳۲۵)

۲۷؎ یعنی کلمۂ شرک اور اُس پر مبنی عقائد و نظریات۔

۲۸؎ یعنی ایسے درخت کی جو جھاڑ جھنکاڑ کی قسم کا ہے۔ اُس میں نہ پھل آتا ہے نہ پھول نکلتے ہیں۔ نہ اُس کے سایے میں بیٹھ سکتے ہیں نہ اپنے لیے کوئی غذا حاصل کر سکتے ہیں۔ استاذ امام کے الفاظ میں گویا ایک خودرو، خاردار، بدبودار، بے فیض و بے ثمر جھاڑی ہے جس کو ہاتھ لگایئے تو اُس کے کانٹے ہاتھوں کو زخمی کریں، چکھیے تو اُس کی تلخی سے زبان اینٹھ جائے، پاس بیٹھیے تو اُس کی بو سے قوت شامہ ماؤف ہو کے رہ جائے۔

۲۹؎ مطلب یہ ہے کہ کلمۂ شرک کی کوئی بنیاد نہ عقل و فطرت کے اندر ہے نہ انبیا علیہم السلام کی تعلیمات میں۔ یہ گویا ایک خودرو جھاڑی ہے جو زمین کے اوپر ہی اوپر ہے، نہ اِس کی کوئی گہری جڑ ہے، نہ فضا کی بلندی نے اِس کو قبول

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ
اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

ایمان والوں کو اللہ اِسی محکم بات سے[۳۰] دنیا اور آخرت، (دونوں) کی زندگی میں ثبات عطا فرمائے گا[۳۱] اور جو (اپنی جان پر) ظلم کرنے والے ہیں، اُن کو اللہ (منزل سے) بھٹکا دے گا[۳۲]۔ اللہ (اپنے علم و حکمت کے مطابق) جو چاہے، کر گزرتا ہے۔ ۲۷

کیا ہے۔ اِسے کوئی اکھاڑنا چاہے تو اوپر ہی سے اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے۔

۳۰؎ یعنی کلمۂ توحید سے۔

۳۱؎ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں وہ فکر و عمل کی ہر پریشانی اور سرگردانی سے محفوظ رہیں گے اور آخرت میں بغیر کسی حیرانی اور سراسیمگی کے ٹھیک اُس منزل پر پہنچ جائیں گے جس کے لیے سرگرم سفر رہے۔ اُن کے پاے استقلال میں یہاں اور وہاں کوئی لغزش نہیں آئے گی۔

۳۲؎ یعنی اُن کے کسی عمل کو نتیجہ خیز نہیں ہونے دے گا۔ اُن کی ہر سعی رایگاں جائے گی اور وہ بالکل نامراد ہو کر رہ جائیں گے۔ آیت میں لفظ 'ظٰلِم' 'ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ' کے معنی میں ہے۔ قرآن میں شرک کو اِسی بنا پر 'ظُلْمٌ عَظِيْمٌ' کہا گیا ہے۔ یہاں بھی 'ظٰلِمِيْن' سے مراد وہی مشرکین قریش ہیں جو سورہ کے مخاطب ہیں۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

امین احسن اصلاحی
ترتیب وتدوین: خالد مسعود۔سعید احمد

غیبت کے بارے میں حکم

(مَا جَاءَ فِی الْغِیْبَةِ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِیُ مَالِكٌ عَنِ الْوَلِیُدِ بُنِ عَبُدِ اللّٰهِ بُنِ صَیَّادٍ أَنَّ الْمُطَّلِبَ بُنَ عَبُدِ اللّٰهِ بُنِ حَنُطَبَ الْمَخُزُوُمِیَّ أَخُبَرَهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوُلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ: مَا الْغِیُبَةُ؟ فَقَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ: أَنُ تَذُكُرَ مِنَ الْمَرُءِ مَا یَكُرَهُ أَنُ یَّسُمَعَ، قَالَ: یَا رَسُوُلَ اللّٰهِ، وَإِنُ كَانَ حَقًّا؟ قَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قُلُتَ بَاطِلًا فَذٰلِكَ الْبُهُتَانُ.

”مطلب بن عبداللہ مخزومی نے خبر دی کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ غیبت کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کسی شخص کا اس طرح سے ذکر کرو کہ اگر وہ سنے تو برا جانے۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ، اگر بات سچی ہو تو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم باطل کہو گے تب تو وہ بہتان ہے۔“

وضاحت

مطلب یہ ہے کہ اگر صحیح بات ہو تب غیبت ہے۔ غیبت کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ بات پیٹھ پیچھے ہو رہی ہو، آدمی کے

سامنے نہیں۔ گویا پیٹھ پیچھے کسی شخص کی ایسی بات کا ذکر غیبت ہے جس کو وہ سنے تو اس کو بری لگے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اخلاقی جرأت ہے تو اس کے منہ پر کہیں۔ اگر نہیں کر سکتے تو پیٹھ پیچھے اس کا گوشت ہی کھانا ہوا۔ البتہ ایک چیز مستثنیٰ ہے۔ لیڈر لوگ پبلک میں آتے ہیں۔ اپنی زندگی کو نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اپنے مسلک کو ہمارے سامنے رکھتے ہیں اور اتباع کی دعوت دیتے ہیں تو ان کی خرابیاں لوگوں پر واضح کرنی چاہییں۔ یہ دین کی خدمت ہے۔ لوگوں کو بتانا چاہیے کہ یہ لغو آدمی ہے جو لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ یہ بتانا غیبت کی تعریف میں نہیں آتا۔ اس کی مثالیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں ملتی ہیں۔

(تدبر حدیث ۵۰۷)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دین و دانش

جاوید احمد غامدی

شریعت کی سزائیں

اسلامی شریعت میں جو احکام مسلمانوں کے نظم اجتماعی کو دیے گئے ہیں، اُن میں چند متعین جرائم کی سزائیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہیں۔ یہ سزائیں کیا ہیں؟ اِن کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''میزان'' کے باب ''حدود و تعزیرات'' میں کر دی ہے اور جو چیزیں توضیح مزید کا تقاضا کرتی تھیں، اُنھیں اِس کتاب میں بھی مختلف عنوانات کے تحت بیان کر دیا ہے اور اپنی کتاب ''برہان'' میں بھی، جو اِسی نوعیت کی تنقیحات کے لیے خاص ہے۔ اِنھی مباحث کا خلاصہ ہم یہاں درج کر رہے ہیں تاکہ یہ بہ یک نظر سامنے آجائیں:

۱۔ یہ سزائیں صرف پانچ جرائم کے لیے مقرر کی گئی ہیں: زنا، قذف، چوری، قتل و جراحت اور فساد فی الارض۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ شراب نوشی، ارتداد اور توہین رسالت کی سزا بھی شریعت میں اِسی طریقے سے مقرر کر دی گئی ہے۔ ہم نے بہ دلائل واضح کر دیا ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ اِن جرائم کے لیے شریعت میں ہرگز کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی۔ یہ سراسر اجتہادی معاملات ہیں اور اِن کے بارے میں جو رائے بھی قائم کی جائے گی، اِسی بنیاد پر کی جائے گی۔

۲۔ فقہا کی عام راے ہے کہ قتل عمد کے مجرم کو اگر مقتول کے ورثہ معاف کر دیں تو مسلمانوں کا نظم اجتماعی بھی اُسے معاف کرنے کا پابند ہے۔ ہمارے نزدیک یہ راے صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ''قتل عمد کی سزا'' کے زیر عنوان ہم نے اِسی کتاب میں اِس مضمون کی تمام آیات کا تجزیہ کر کے بتا دیا ہے کہ اِس صورت میں صرف قصاص کی فرضیت ختم ہوتی ہے، اُس کا جواز ختم نہیں ہوتا۔ لہٰذا حکومت اور معاشرے کو پورا حق ہے کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کے

پیش نظر وہ، اگر چاہے تو قصاص ہی پر اصرار کرے اور مقتول کے ورثہ کی طرف سے دی گئی رعایت کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔

۳۔ سورۂ مائدہ (۵) کی آیات ۳۳-۳۴ میں محاربہ اور فساد فی الارض کی جو سزائیں بیان ہوئی ہیں، وہ صرف ڈکیتی کے ساتھ خاص نہیں ہیں، بلکہ اُن سب مجرموں کے لیے ہیں جو قانون سے بغاوت کر کے لوگوں کی جان، مال، آبرو اور عقل ورائے کے خلاف برسر جنگ ہو جائیں۔ چنانچہ قتل، دہشت گردی، زنا، زنا بالجبر اور چوری ڈاکا بن جائے یا لوگ بدکاری کو پیشہ بنالیں یا کھلم کھلا اوباشی پر اتر آئیں یا اپنی آوارہ منشی، بدمعاشی اور جنسی بے راہ روی کی بنا پر شریفوں کی عزت و آبرو کے لیے خطرہ بن جائیں یا نظم ریاست کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں یا اغوا، تخریب، ترہیب اور اِس طرح کے دوسرے سنگین جرائم سے حکومت کے لیے امن وامان کا مسئلہ پیدا کر دیں تو یہ سب فساد فی الارض کے مجرم ہوں گے اور عدالت جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کی رعایت سے اُن میں سے جو سزا مناسب سمجھے، اُنھیں دے سکتی ہے۔

۴۔ موت کی سزا قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ اِن دو جرائم کو چھوڑ کر فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اُسے قتل کر ڈالے۔

۵۔ دیت ہر دور اور ہر معاشرے کے لیے اسلام کا واجب الاطاعت قانون ہے، لیکن اِس کی مقدار، نوعیت اور دوسرے تمام امور میں قرآن کا حکم یہی ہے کہ 'معروف'، یعنی معاشرے کے دستور اور رواج کی پیروی کی جائے۔ اِس حکم کے مطابق ہر معاشرہ اپنے ہی معروف کا پابند ہے۔ ہمارے معاشرے میں دیت کا کوئی قانون چونکہ پہلے سے موجود نہیں ہے، اِس وجہ سے ارباب حل وعقد کا اختیار ہے کہ چاہیں تو اِس معاملے میں عرب کے دستور کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو اپنے حالات اور مصالح کے لحاظ سے کوئی دوسری صورت تجویز کر لیں۔ اسلام اور اسلامی شریعت کی رو سے اِس پر ہرگز کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ زانی اور زانیہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ، زنا کی شرعی سزا وہی سو کوڑے ہے جو قرآن مجید کی سورۂ نور (۲۴) میں بیان ہوئی ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں زنا کے بعض مجرموں کو رجم، یعنی سنگ ساری کی سزا بھی دی تھی، لیکن یہ سورۂ مائدہ (۵) کی آیت محاربہ کے تحت اور زنا بالجبر اور اوباشی کے مجرموں کو دی گئی تھی۔ اِس کا سورۂ نور (۲۴) میں زنا کے عام مجرموں کے لیے بیان کی گئی سزا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۷۔ زنا اور چوری کی جو سزائیں قرآن میں بیان ہوئی ہیں، وہ اِن جرائم کی انتہائی سزائیں ہیں اور صرف اُنھی مجرموں کو دی جائیں گی جن سے جرم بالکل آخری درجے میں سرزد ہو جائے اور اپنے حالات کے لحاظ سے وہ کسی رعایت کے مستحق نہ ہوں۔ اِن میں اہم ترین چیز اُن کا دینی شعور ہے۔ یہ سزائیں اُن لوگوں کے لیے نہیں ہیں جو غیر مسلم ہیں یا پیدایشی لحاظ سے مسلمان تو ہیں، مگر دینی شعور کے لحاظ سے غیر مسلموں ہی کے حکم میں ہیں۔ اِس لیے کہ اِن سزاؤں سے مقصود محض جرم کا استیصال نہیں ہے، بلکہ اُن مجرموں کو خدا کے عذاب کا مزہ چکھانا اور دوسروں کے لیے عبرت بنا دینا بھی ہے جنھوں نے پورے شعور کے ساتھ اپنے آپ کو خدا اور اُس کے رسول کے حوالے کیا، اُن سے عہد اطاعت باندھا، اُن کے دین کو دین کی حیثیت سے قبول کیا اور اِس کے بعد چوری اور زنا جیسے جرائم میں اِس حد تک ملوث ہو گئے کہ خدا نے اُن کا پردہ فاش کر دیا اور معاملات عدالت تک پہنچ گئے۔

۸۔ زنا کی سزا کے لیے چار گواہوں کی جو شرط قرآن میں بیان ہوئی ہے، وہ زنا بالرضا کے لیے ہے، اُس کا اطلاق زنا بالجبر پر نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اگر کوئی عورت اپنے خلاف اِس جرم کی شکایت لے کر آتی ہے تو وہ قاذف نہیں، بلکہ فریادی ہے۔ قانون پابند ہے کہ اُس کی فریاد سنے اور جس شخص پر الزام لگایا گیا ہے، اُس کا جرم جس طریقے سے بھی ثابت ہو جائے، اُس کو اِس بربریت کی قرار واقعی سزا دے، الّا یہ کہ تحقیق و تفتیش سے خود عورت کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ اُس نے قذف کا ارتکاب کیا ہے اور ملزم بے گناہ ہے۔

۹۔ زنا بالرضا کے سوا اسلامی شریعت کے جرائم بھی اُن سب طریقوں سے ثابت ہوتے ہیں جنھیں اخلاقیات قانون میں مسلمہ طور پر ثبوت جرم کے طریقوں کی حیثیت سے قبول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حالات، قرائن، طبی معاینہ، پوسٹ مارٹم، انگلیوں کے نشانات، ڈی این اے، گواہوں کی شہادت، مجرم کا اقرار، قسم، قسامہ اور اِس نوعیت کے دوسرے تمام شواہد اِن جرائم کے ثبوت میں بھی اُسی طرح قابل قبول ہوں گے، جس طرح عام جرائم میں ہوتے ہیں۔ قرآن وسنت میں کوئی چیز نہیں ہے جو اِس کے خلاف پیش کی جا سکے۔

[۲۰۱۵ء]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضرت ابوذر غفاری کا اصل نام جندب (یا بریر) تھا۔ جنادہ ان کے والد، جبکہ سکن دادا تھے، دوسری روایات میں ان کے والد کا نام سکن یا عبداللہ اور دادا کا سفیان بتایا گیا ہے۔ رملہ بنت وقیعہ ان کی والدہ تھیں۔ حضرت ابوذر بنوغفار سے منسوب ہیں جو بنوکنانہ (اور بنوضمرہ) کا ذیلی قبیلہ تھا، ابوذر کے نویں جد غفار بن ملیل اس قبیلے کے بانی تھے، جبکہ بنوضمرہ کے بانی ضمرہ بن بکر ان کے گیارھویں جد تھے۔ کنانہ بن خزیمہ پر حضرت ابوذر کا شجرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرے سے جا ملتا ہے۔ کنانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرھویں اور حضرت ابوذر کے چودھویں جد تھے۔ (ابن سعد) آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوغفار کی ستایش کرتے ہوئے فرمایا: ''غفار، اللہ ان کی مغفرت کرے، بنواسلم کو اللہ سلامت رکھے، بنوعصیہ نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی'' (بخاری، رقم ۳۵۱۳۔ مسلم، رقم ۶۵۲۲)۔

حضرت ابوذر 'السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* میں سے تھے۔ اسلام کی طرف لپکنے والوں میں ان کا نمبر چوتھا یا پانچواں تھا۔ حضرت ابوذر غفاری کے بھائی انیس کسی کام سے مکہ گئے۔ انھیں آنے میں دیر ہوگئی تو حضرت ابوذر نے وجہ پوچھی، انھوں نے بتایا: میں ایک شخص سے ملا ہوں جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے اسے آپ کے دین (دین ابراہیم) پر بھیجا ہے۔ حضرت ابوذر نے سوال کیا: لوگ اس کے بارے میں کیا تبصرہ کرتے ہیں؟ انیس نے جو خود شاعر تھے، جواب دیا: وہ اسے شاعر اور جادوگر سمجھتے ہیں۔ وہ کاہنوں جیسی گفتگو کرتے ہیں نہ ان کا کلام شعر ہے۔ وہ تو اعلیٰ اخلاق

---

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کی گفتگو سے حضرت ابوذر کا شوق بڑھ گیا، انھوں نے زادراہ لیا، پانی سے بھرا مشکیزہ پکڑا اور خود مکہ عازم سفر ہوئے۔ بھائی نے کہا: اہل مکہ سے بچ کر رہنا، وہ انھیں اچھا نہیں سمجھتے اور اوران سے برا سلوک روا رکھتے ہیں۔ حضرت ابوذر پہلے اپنے ماموں کے ہاں پہنچے جو بہت مال دار اور صاحب حیثیت تھے۔ ماموں نے خوب آؤ بھگت کی، تاہم ان کے قبیلے والوں نے باتیں بنائیں۔ مکہ پہنچے تو کسی سے پوچھا: وہ شخص کہاں ہے جسے لوگ صابی (بے دین) کہہ کر پکارتے ہیں؟ اس نے اشارہ کر کے دوسرے لوگوں کو بھی بلا لیا جو روڑے اور ہڈیاں لے کر ان پر پل پڑے۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، ہوش میں آئے تو خون میں لت پت ہو کر سرخ بت بنے ہوئے تھے۔ چاہ زمزم پر پہنچے، غسل کیا، پانی پیا اور کعبہ کے پردوں سے لپٹ گئے۔ ایک دن اور رات اس طرح گزرے کہ آب زمزم کے علاوہ کوئی خوراک نہ تھی۔ اگلی رات چاندنی رات تھی، دو عورتوں کے علاوہ کسی نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا۔ وہ اساف اور نائلہ کے بتوں سے دعائیں مانگ رہی تھیں کہ حضرت ابوذر نے کہا: ان دونوں کا آپس میں نکاح پڑھا دو، بولیں: کاش یہاں ہماری قوم کا کوئی شخص ہوتا۔ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کوہ صفا سے اترتے نظر آئے۔ عورتوں نے بتایا کہ ایک صابی کعبہ کے پردوں میں چھپا بیٹھا ہے۔ آپ دونوں نے حجر اسود کا بوسہ لیا، طواف کیا اور نماز پڑھی۔ حضرت ابوذر پاس آئے، وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے اسلامی طریقے سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور استفسار فرمایا: کہاں سے آئے ہو؟ بتایا: بنوغفار سے۔ یہاں کب سے ہو؟ جواب دیا: ایک دن اور رات سے۔ کسی نے کھانا دیا؟ آب زمزم ہی سے پیٹ بھرا ہے اور اب بھوک کی وجہ سے کوئی کمزوری بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا: آب زمزم برکت والا ہے، بھوکے کے لیے کھانا اور بیمار کے لیے شفا ہے۔ سیدنا ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ، انھیں آج رات کا کھانا کھلانے کی اجازت مجھے دے دیجیے۔ حضرت ابوذر اسی وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدنا ابوبکر کے گھر پہنچے اور طائف کے میوے تناول کیے۔ حضرت ابوذر ایمان لے آئے تو آپ نے فرمایا: مجھے کھجوروں والی سرزمین کی طرف بھیجا گیا اور میرا خیال ہے، وہ یثرب ہی ہے۔ تو کیا تم میرا پیغام اپنی قوم کو پہنچاؤ گے؟ ہو سکتا ہے، اللہ تمھارے ذریعے سے انھیں نفع دے اور تمھیں اس کا اجر دے۔ حضرت ابوذر مسلمان ہونے کے بعد اپنے بھائی انیس کے پاس آئے تو وہ بھی مسلمان ہو گئے، پھر دونوں بھائی اپنی والدہ کے پاس پہنچے، انھوں نے کہا: میں تمھارے دین سے اعراض نہیں کروں گی اور ایمان لے آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے بنوغفار کے آدھے لوگ ایمان لا چکے تھے۔ بنوغفار کے سردار خفاف بن ایما اہل ایمان کو نماز پڑھاتے (مسلم، رقم ۶۴۴۲۔ احمد، رقم ۲۱۴۱۷)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت ابوذر غفاری کے اسلام لانے کا قصہ حضرت عبداللہ بن عباس نے مختلف طرح بیان کیا ہے۔ وہ حضرت ابوذر کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ میں غفار قبیلے سے تھا، ہمیں معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ تم جا کر اس سے بات چیت کرو اور آ کر مجھے حال بتاؤ۔ وہ آپ سے مل کر لوٹا اور بتایا: میں نے ایک شخص کو دیکھا جو خیر کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے۔ اتنی خبر سے میری تسلی نہ ہوئی، میں نے توشہ دان اور عصا لیا اور مکہ روانہ ہو گیا۔ آپ کو پہچانتا نہ تھا اور یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ کسی سے آپ کے بارے میں پوچھوں، اس لیے حرم میں بیٹھا زمزم کا پانی پیتا رہا۔ سیدنا علی کا مجھ پر گزر ہوا تو بولے: گویا یہ شخص مسافر ہے۔ میں نے کہا: ہاں، تو فرمایا: گھر چلیں۔ میں ان کے ساتھ چل دیا، انھوں نے مجھ سے کچھ پوچھا نہ میں نے انھیں بتایا۔ صبح ہوئی تو میں پھر حرم کی طرف چل دیا تاکہ آپ کا پتا دریافت کر سکوں۔ کوئی ان کے بارے میں کچھ نہ بتاتا تھا۔ سیدنا علی پھر گزرے اور پوچھا: کیا مسافر کو ابھی تک اپنی منزل معلوم نہیں ہو سکی؟ میں نے جواب دیا: نہیں، کہا: میرے ساتھ چلو، پھر پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ اس شہر میں کس لیے آئے؟ میں نے کہا: اگر راز داری کریں گے تو بتاؤں گا۔ سیدنا علی نے کہا: ہاں ایسا ہی کروں گا۔ میں نے کہا: ہمیں خبر ملی ہے کہ یہاں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو ان سے بات چیت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کی اطلاع سے میری تشفی نہیں ہوئی، اس لیے خود ملنے کا قصد کیا ہے۔ حضرت علی نے کہا: آپ راہ یاب ہو گئے ہیں۔ میں انھی کی طرف جا رہا ہوں۔ میرے پیچھے پیچھے آتے جائیے۔ اگر میں نے کسی شخص سے خطرہ محسوس کیا تو دیوار کے ساتھ لگ کر جوتا صاف کرنے لگ جاؤں گا اور آپ چلتے جانا۔ سیدنا علی چلتے گئے اور میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتا گیا، حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ میں نے کہا: مجھے اسلام سکھائیے۔ آپ نے اسلامی تعلیمات تلقین کیں اور میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ پھر نصیحت فرمائی: ایمان کے معاملے کو چھپا کر اپنے شہر لوٹ جاؤ اور جب ہمارے غلبے کی خبر سنو تو چلے آنا۔ میں جوش میں آ کر بولا: اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان مشرکوں کے سامنے بھی پکار پکار کر کہوں گا، پھر کعبہ کے پاس آ کر بلند آواز سے کہنے لگے: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ۔ مشرک مجھ پر پل پڑے اور مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ عباس بن عبدالمطلب بھاگے آئے اور کہا: تمھارا ناس ہو! تم بنو غفار کے ایک شخص کو قتل کر رہے ہو، حالاں کہ تمھاری تجارت اور راہ گزر غفار سے ہو کر جاتی ہے۔ تب انھوں نے مجھے چھوڑا۔ اگلے روز پھر میں نے قریش کے سامنے اسلام کا اعلان کیا تو وہ بولے: اس صابی کو پکڑ لو۔ وہی کل والا سلوک ہوا اور عباس نے مجھے چھڑایا (بخاری، رقم ۳۵۲۲۔ مسلم، رقم ۶۴۴۵)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حضرت ابوذر غفاری فرمایا کرتے تھے: میں نے اپنے آپ کو چوتھا مسلمان پایا ہے، کیونکہ مجھ سے پہلے صرف تین نفوس قدسیہ نے اسلام قبول کیا تھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر اور سیدنا بلال۔ ایسی ہی روایت حضرت ابوذر کے ماں جائے حضرت عمرو بن عبسہ نے اپنے بارے میں بیان کی۔ ان دونوں کو معلوم نہیں تھا کہ ان میں سے پہلے کون ایمان لایا۔ واقدی کہتے ہیں کہ سابقین میں حضرت ابوذر اور حضرت عمرو بن عبسہ کا شمار چوتھے اور پانچویں نمبروں پر ہوتا ہے۔ السابقون الاولون کی فہرست میں حضرت خالد بن سعید کا شمار بھی پانچواں بتایا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر نے اپنے قبول اسلام کا ذکر ان الفاظ میں کیا: میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور السلام علیک یارسول اللہ کہنے کے بعد اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ کا کلمہ پڑھا۔ میں نے آپ کے چہرۂ مبارک پر خوشی کی جھلک دیکھی۔

حضرت ابوذر غفاری نے اپنے بھتیجے کو بتایا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تین سال پہلے سے نماز پڑھ رہا ہوں۔ اس نے پوچھا: کس کی عبادت کرتے تھے؟ بتایا: اللہ کی۔ اس نے پھر سوال کیا: کس طرف رخ کرتے تھے؟ جواب دیا: جدھر اللہ رخ کرا دیتا۔ عشا پڑھ کر آخری رات کو چادر کی طرح بستر پر پڑ جاتا (مسلم، رقم ۶۴۴۴)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اسلام لانے سے پہلے حضرت ابوذر اپنے اہل قبیلہ کی طرح غارت گری کرتے تھے۔ اکیلے ڈاکا ڈالتے، منہ اندھیرے قافلے پر درندے کی طرح کود پڑتے، پھر اللہ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا۔ وہ مکہ آئے اور سیدنا ابوبکر کے ایمان لانے کے چند دن بعد مسلمان ہو گئے۔ یہی بات تھی جو اقرع بن حابس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی، اسلم، غفار اور مزینہ کے قبائل نے آپ کی بیعت کی ہے جو اپنے ہاں سے گزرنے والے حاجیوں کا مال اسباب چرایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ تمیم، عامر، اسد اور غطفان کے قبائل سے بہتر ہیں جو خائب و خاسر ہوئے'' (بخاری، رقم ۳۵۱۶)۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ قبائل طاقت اور مرتبے میں فوقیت رکھتے تھے، لیکن اسلم، غفار اور مزینہ نے اسلام لانے میں سبقت کی، اس لیے ان کا رتبہ بلند ہو گیا۔

ایمان لانے کے بعد حضرت ابوذر غفاری اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے۔ وہ اپنے ہاں سے گزرنے والے قریش کے قافلوں کو روکتے اور نبوت محمدی کی شہادت دینے پر مجبور کرتے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد بدر، احد اور خندق کی جنگیں ہو چکیں تو حضرت ابوذر مدینہ منتقل ہو گئے۔ سفر و حضر میں وہ آپ کے ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ انھوں نے اس امر پر آپ کی بیعت کی کہ اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی پروا نہ کریں گے

اور حق ہی کہیں گے چاہے کڑوا کیوں نہ ہو۔ دار ہجرت میں مہاجرین وانصار کی مواخات قائم کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی خاطر بھائی بھائی بن جاؤ۔ سب سے پہلے آپ نے علی بن ابوطالب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری اس موقع پر مدینہ میں موجود تھے، آپ نے انھیں حضرت منذر بن عمرو ساعدی کا بھائی قرار دیا۔ محمد بن عمر نے اس مواخات کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں: جنگ بدر کے بعد مواخات کے احکام ختم ہو گئے تھے، جبکہ حضرت ابوذر جنگ خندق کے بعد مدینہ آئے۔

جمادی الاولیٰ ۴ھ میں غزوۂ ذات الرقاع ہوا۔ حضرت ابوذر غفاری کو مدینہ کا عامل مقرر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار سو صحابہ کی معیت میں نجد روانہ ہوئے۔ بنوغطفان کے ذیلی قبائل بنومحارب اور بنوثعلبہ کی سرکوبی آپ کے پیش نظر تھی۔ اس غزوہ میں فوجوں کی مڈبھیڑ تو نہ ہوئی، تاہم اہل ایمان نے پہلی بار صلوٰۃ خوف ادا کی۔

شعبان ۶ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنومصطلق (یا غزوۂ مریسیع) پر تشریف لے گئے تو بھی حضرت ابوذر ہی کو مدینہ کا قائم مقام حاکم مقرر فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ ذمہ داری نمیلہ بن عبداللہ کو سونپی گئی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے خلاف جتھہ بندی کرنے والے بنومصطلق کے سردار حارث بن ابوضرار کو شکست ہوئی۔

۶ھ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے تو اپنی بیس اونٹنیاں رباح غلام کو دے کر چرنے کے لیے ذوقرد بھیج دیں۔ یہ مدینہ اور خیبر کے درمیان دو دن کی مسافت پر جنگل میں واقع ایک چشمہ ہے۔ راتوں رات بنوغطفان (بنوفزارہ) کے عبدالرحمٰن بن عیینہ (یا عیینہ بن حصن) نے چالیس آدمیوں کے ساتھ غارت گری کی۔ حضرت ابوذر غفاری کے صاحب زادے کو جو گلہ بانی پر مامور تھے، قتل کیا، ان کی بیوی کو اغوا کیا اور تمام اونٹنیاں ہنکا کر لے گئے۔ اتفاق سے سلمہ بن اکوع اور طلحہ بن عبیداللہ کا غلام وہاں سے گزرے، وہ مدینہ کے قریب واقع جبل سلع پر چڑھ گئے اور مدد کی پکار دی، واصباحاہ! ہائے صبح کی غارت گری! پھر لٹیروں کا پیچھا کیا اور بے مثال تیراندازی کر کے اونٹ چھڑا لیے۔ سلمہ کی پکار سن کر مدینہ کے شہ سوار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت مقداد بن اسود پہنچے، پھر حضرت عباد بن بشر، حضرت سعد بن زید، حضرت اسید بن ظہیر، حضرت عکاشہ بن محصن، حضرت محرز بن نضلہ، حضرت حارث بن ربعی اور حضرت عبید بن زید آ گئے۔ آپ نے حضرت سعد بن زید کو امیر مقرر کر کے اس دستے کو حملہ آوروں کے پیچھے بھیجا، پھر آپ خود پانچ سو صحابہ کے ساتھ ذوقرد پہنچے اور پہاڑ کے دامن میں ایک دن قیام کیا۔

حویطب بن عبدالعزیٰ زمانۂ جاہلیت میں حضرت ابوذر غفاری کے دوست تھے، لیکن اسلام سے دور رہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

صلح حدیبیہ میں مشرکوں کی طرف سے شریک ہوئے۔ مسلمان عمرۂ قضا کے لیے آئے تو حویطب اور سہیل ہی تھے جنھوں نے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے صحابہ کو مکہ خالی کرنے کو کہا۔ فتح مکہ کا موقع آیا تو اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے حویطب کو سخت خوف لاحق ہوا، اپنے گھر والوں کو امن کی جگہ بھیج کر وہ مکہ سے فرار ہو رہے تھے کہ عوف کے باغ میں حضرت ابوذر سے ملاقات ہوگئی۔ حویطب واپس ہونے لگے، لیکن حضرت ابوذر نے روک کر کہا: خوف نہ کرو، تم امن میں ہو، اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ حویطب نے کہا: مجھے راستے ہی میں قتل کر دیا جائے گا، پھر میرے اہل وعیال بھی مختلف جگہ بٹے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوذر نے کہا: اپنے گھر والوں کو لے آؤ، میں خود تمھیں واپس پہنچاؤں گا۔ چنانچہ حویطب کے دروازے پر کھڑے ہو کر انھوں نے امان کا نعرہ لگایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا: چند لوگوں کا استثنا کر کے میں تمام اہل مکہ کو پہلے ہی امان دے چکا ہوں۔ اب حضرت ابوذر حویطب سے مخاطب ہوئے، بہت سا خیر تم نے کھو دیا، لیکن ابھی خیر کثیر باقی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اسلام قبول کر لے۔ وہ تمام انسانوں سے زیادہ بردبار اور سب سے بڑھ کر صلۂ رحمی کرنے والے ہیں۔ حویطب آپ کے پاس آئے، حضرت ابوذر کے سکھائے ہوئے کلمات 'السلام علیك أیها النبی و رحمة اللّٰه' سے سلام کیا تو آپ نے 'وعلیك السلام' فرما کر پوچھا: تم حویطب ہو؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا اور کلمۂ شہادت پڑھا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اس اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے ہدایت دی۔ اسلام لانے کے بعد حویطب نے حضرت ابوذر کو چالیس ہزار درہم قرض دیے، وہ حنین اور طائف کے غزوات میں حضرت ابوذر کے ساتھ شریک ہوئے۔

۸ھ جنگ حنین میں بنو غفار کا علم حضرت ابوذر غفاری نے اٹھا رکھا تھا۔ انھوں نے اس غزوہ میں حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے سو اونٹ حویطب کو دے دیے۔

۹ھ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافق ایک ایک کر کے چھٹتے گئے۔ جب کوئی لشکر چھوڑتا تو صحابہ آپ کو خبر کرتے۔ آپ فرماتے: جانے دو، اگر اس میں کوئی بھلائی ہوئی تو اللہ تم سے ملا دے گا۔ حضرت ابوذر غفاری مخلص مومن تھے، تاہم چلتے چلتے ان کا اونٹ مچل گیا، وہ لشکر سے پیچھے رہ گئے تو صحابہ نے آپ کو بتایا کہ حضرت ابوذر رک گئے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا: انھیں کچھ نہ کہو۔ ان میں بھلائی ہوگی تو اللہ ضرور تم سے ملا دے گا۔ اونٹ کی ہٹ ختم نہ ہوئی تو انھوں نے کجاوہ اتار کر کمر پر لادا اور آپ کے پیچھے پیدل چل پڑے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو ایک مسلمان نے انھیں دور چلتا دیکھ کر کہا: یا رسول اللہ، یہ ایک شخص اکیلا چلا آ رہا ہے، آپ نے فرمایا: ابوذر ہو گا۔ غور سے دیکھ کر سب نے تائید کی، ہاں حضرت ابوذر ہی ہیں تو فرمایا، ''اللہ ابوذر پر رحم

کرے، اکیلا چلتا ہے، اکیلا وفات پائے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا، اہل ایمان کی ایک جماعت اس کی گواہی دے گی۔‘‘

خریم بن فاتک اسدی ایمان لانے کے بعد مدینہ پہنچے۔ جمعہ کا دن تھا، اہل ایمان مسجد نبوی کی طرف رواں دواں تھے۔ خریم نے مسجد کے دروازے پر اونٹ کو بٹھایا تو حضرت ابوذر نے ان کا استقبال کیا اور کہا: ہمیں آپ کے اسلام لانے کی خبر مل چکی ہے۔ مسجد میں چلیں اور جمعہ کی نماز پڑھ لیں۔

خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر کی وفات کے بعد حضرت ابوذر غفاری نے شام میں سکونت اختیار کر لی۔

۱۵ھ میں خلیفۂ ثانی سیدنا عمر نے اہل ایمان کے لیے وظائف مقرر کیے۔ انھوں نے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت ابوذر اور حضرت سلمان کے لیے اہل بدر کے برابر حصہ مقرر کیا، حالاں کہ یہ جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے۔ یہ ان اصحاب کی فضیلت کا اعتراف تھا۔

حضرت ابوذر بیت المقدس کی فتح میں سیدنا عمر کے ہم رکاب تھے۔

۲۳ھ میں حضرت معاویہ صائفہ کی مہم پر نکلے اور عموریہ تک گئے۔ اس مہم میں حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت شداد بن اوس ان کے ساتھ تھے۔

۲۸ھ (یا ۲۹ھ) میں قبرص فتح ہوا، حضرت معاویہ کی قیادت میں جانے والے لشکر میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت عبادہ بن صامت، ان کی اہلیہ حضرت ام حرام، حضرت مقداد بن اسود، حضرت ابوالدرداء اور حضرت شداد بن اوس شامل تھے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ریحان احمد یوسفی

اسلام اور خلافت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس وقت ہمارے ملک میں بیانیے کی ایک بحث جاری ہے۔ اس بحث کا تناظر پاکستان میں جاری وہ دہشت گردی ہے جس نے پچھلے کئی برسوں میں تقریباً ساٹھ ہزار سے زائد پاکستانیوں کی جانیں لے لی ہیں۔ احباب کی طرف سے یہ تقاضا سامنے آیا ہے کہ میں اس موضوع پر اظہار خیال کروں۔ خاص کر وہ احباب جو مجھے براہ راست جانتے ہیں اور جنھوں نے میری کتاب ''تیسری روشنی'' پڑھ رکھی ہے، ان کا خیال ہے کہ چونکہ میں ایک طالب علم کی طرح اس خاص بحث سے بہت پہلے گزر چکا ہوں، اس لیے مجھے اپنی فکری دریافت لوگوں کے ساتھ ضرور شیئر کرنی چاہیے۔

اِدھر میرا معاملہ یہ ہے کہ عرصہ ہوا میں نے اس قوم کے اصل مرض کی تشخیص یہ کی ہے کہ یہاں ایمان کے بجاے تعصّبات و خواہشات اور عمل صالح اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بجاے کچھ اور چیزیں دین داری کا معیار بن چکی ہیں۔ چنانچہ کرنے کا کام ان چیزوں کی اصلاح ہے۔ ورنہ ان فکری بحثوں کا نتیجہ بارہا یہ نکلتا ہے کہ ایک گروہ تو اندھا مخالف بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور دلیل و استدلال سے آگے بڑھ کر نیت اور محرکات کے فیصلے کر کے مہم جوئی شروع کر دیتا ہے۔ جبکہ دوسرے لوگوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تعصب سے نکل کر دوسرے تعصب میں چلے جاتے ہیں اور ایک گروہ کے بجاے دوسرے گروہ کی عصبیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جبکہ دین کا اصل مقصد تو اعلیٰ اخلاق کے حامل ایسے انسان پیدا کرنا ہے جو ہر طرح کے تعصّبات اور خواہشات سے بلند ہو کر اللہ کی رضا کو اپنا مقصد بنا لیں۔ جنت کی بادشاہی، لاریب، انھی لوگوں کی منزل ہے۔ یہی کام جو بظاہر ''ہاٹ'' نہیں، نہ اس میں زیادہ شہرت اور

نام وری ملتی ہے، اس عاجز نے اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ یہ کام اتنا اہم ہے کہ کسی اور مصروفیت کی اجازت نہیں دیتا۔

پھر یہ کہ آج کل میں نے ''جب زندگی شروع ہوگی'' اور ''قسم اس وقت کی'' کے بعد اس سلسلے کے تیسرے ناول پر کام شروع کر دیا ہے۔ یہ ناول نگاری میری ڈھیر ساری مصروفیات کے ساتھ بہرحال ایک مشکل کام ہے۔ مگر کیا کروں کہ ابھی تک اس طرز نگارش کی پہنچ کسی بھی دوسرے ذریعہ سے زیادہ ہی ثابت ہوئی ہے۔ اس لیے کچھ اہم باتیں جو کہنی ہیں، وہ اسی تیسرے ناول کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

ایسے میں کسی فکری بحث میں اترنا جس توجہ اور وقت کا طالب ہے، اس کی دستیابی آسان نہیں۔ مگر بعض احباب نے میری خاموشی کو ''کتمان حق'' قرار دے دیا تو مجبوراً مجھے اس معاملے میں کچھ مختصر گزارشات پیش کرنا پڑ رہی ہیں۔ کسی بحث یا جوابی بحث میں الجھنا اس خاکسار کے پیش نظر نہیں۔ میں اگرچہ اپنے مزاج کے لحاظ سے ایک داعی ہوں، لیکن میں اپنے مالک کے عطا کردہ دین کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی ہوں۔ طالب علمانہ طریقے پر یہ جانتا ہوں اور بیان کر سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین سے متعلق کیا چاہتے ہیں اور کیا نہیں۔ اور اگر ان کی بات ہی ٹھیک طور پر سامنے نہیں آ رہی تو اس کا سامنے لانا بہرحال ایک ذمہ داری ہے۔

تاہم میں ہمیشہ اس کے لیے تیار رہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ میں ہی غلط ہوں، اس لیے اگر کوئی بھائی یا بہن علمی طریقے پر (نہ کہ استدلال سے خالی، اعتماد سے بھرپور جذباتیت اور دلیل کے نام پر نکتہ آفرینی کر کے) غلطی واضح کر دیں گے کہ میں ہی غلط جگہ پر ہوں تو کسی بحث میں الجھے بغیر میں اپنی اصلاح کر لوں گا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ بچپن سے آج تک تعصّبات کے جتنے بت تھے، ہر ایک کو توڑا اور چھوڑا ہے۔ اس ''بت شکنی'' کے لیے یہ عاجز ہمیشہ تیار رہتا ہے، اس لیے کہ یہی ایمان ہے۔ باقی صرف کہانیاں ہیں یا پھر ایمان کے وہ دعوے ہیں جن کی قلعی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کھول کر رکھ دیں گے۔ ہم سب کو اس انجام سے اپنے رب کی پناہ مانگنی چاہیے۔

آگے بڑھنے سے قبل میں یہ واضح کرنا چاہوں گا کہ اب کچھ بزرگوں کے نام آئیں گے۔ یہ سب اِس دور میں امت کے بڑے اہل علم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سے میں نے بہت استفادہ کیا ہے، اس لیے میرے دل میں ان کے لیے بے حد محبت اور احترام ہے۔ تاہم یہ مقام اور مرتبہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے چکا ہوں اور بلا شبہ یہ صرف سرکار دوعالم ہی کا حق ہے کہ ان کی ہر بات کا دفاع کیا جائے۔ آپ سراپا حق ہیں اور صرف آپ ہی حق ہیں۔ باقی لوگ جتنے بڑے عالم بھی ہوں، بہرحال انسان ہیں۔ ان سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ ان کی بات غلط ہو سکتی ہے۔ مگر ان کی کسی بات سے اختلاف کا مطلب ان کے مقام و مرتبہ کو کم کرنا نہیں، بلکہ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ وہ

بہر حال رسول اور نبی نہیں ہیں جن سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کی ایک چیز سے اختلاف کے باوجود ان کی دس چیزوں سے مجھے اتفاق بھی ہے۔ میں ان کی عظمت کو ان کی خدمات کے حوالے سے یاد رکھتا ہوں، ان کے تسامحات کے حوالے سے نہیں۔

جن لوگوں نے میری کتاب ''تیسری روشنی'' پڑھی ہے، وہ جانتے ہیں کہ میں ایک فکری دریافت کے سفر سے گزرا ہوں۔ یہ فکری دریافت دیگر مذاہب اور افکار کے مقابلے میں اسلام کی سچائی کی دریافت بھی تھی اور خود مسلمانوں میں پائے جانے والے باہمی اختلافات میں قرآن مجید سے مطابقت رکھنے والی درست شاہراہ کی دریافت کا عمل بھی تھا۔

اس سفر میں تین بنیادی سوالات تھے جن کے جواب تلاش کرنا میرا مقصد تھا: ایک یہ کہ عقائد کے لحاظ سے جو اختلافات مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں، ان میں درست نقطۂ نظر کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ فقہی مسالک کی شکل میں جو مختلف گروہ پائے جاتے ہیں، ان میں کس کی رائے درست ہے۔ جبکہ تیسرا سوال یہ تھا کہ دین کے مقصد، حقیقت اور تعبیر کے لحاظ سے جو مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، ان میں سے کون سا نقطۂ نظر اسلام اور قرآن مجید کی درست ترجمانی کرتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

صاحبان نظر یہ سمجھ سکتے ہیں کہ بیانیے کی موجودہ بحث اصلاً اسی تیسرے سوال سے متعلق ہے۔ اس بحث کے اگرچہ کئی پہلو ہیں، لیکن اس کا مرکزی نقطہ اگر متعین کیا جائے تو وہ بنیادی طور پر ایک ہی ہے۔ دین اسلام ایک فرد کے سامنے کون سا نصب العین رکھتا ہے۔ دین کا وہ کون سا مقصد ہے جس کے حصول کے لیے دین کے باقی سارے احکام دیے گئے ہیں اور درحقیقت جس کے حصول یا حصول کی کوشش پر اخروی نجات موقوف ہے۔ یہی وہ بنیادی سوال ہے جس کے جواب سے پھر وہ سارے نکات پیدا ہو جاتے ہیں جو اس وقت زیر بحث ہیں۔

اس بحث کا آغاز پچھلی صدی کی تیسری دہائی میں اس امت میں ایک جلیل القدر امام مولانا مودودی رحمہ اللہ کی اس تعبیر دین سے ہوا تھا جسے دین کی سیاسی تعبیر کہا جا سکتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک بندۂ مومن کی زندگی کا اصل مقصد حکومت الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد کرنا ہے۔ عملی طور پر اس کا مطلب یہ تھا کہ دنیا کا اقتدار فاسقین کے ہاتھ سے چھین کر صالحین کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ یہ صالحین پھر سماج پر اللہ کا دین نافذ کریں گے اور ساتھ میں پوری دنیا سے ایک ''مصلحانہ جہاد'' کر کے ہر جگہ اسلام کا غلبہ قائم کریں گے۔ یہی وہ جدوجہد ہے جو ہر مسلمان پر فرض ہے اور دین کا ہر حکم اسی بنیادی فریضے سے متعلق ہے۔ اس نقطۂ نظر کی علمی اساسات حضرت مولانا کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' اور ان کی بعض دیگر تصانیف میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جبکہ ادبی اسلوب میں غالباً نعیم صدیقی

صاحب نے بڑی خوب صورتی سے اس کو یوں بیان کیا تھا:

میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی

میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

مولانا مودودی رحمہ اللہ بہت بڑے عالم اور محقق تھے۔ انھوں نے اپنے نقطۂ نظر کو قرآن مجید کے تفصیلی دلائل کی بنیاد پر مرتب کیا تھا۔ وہ اعلیٰ درجہ کے ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ چنانچہ اپنی بات کے ابلاغ کی غیر معمولی صلاحیت ان میں تھی۔ اپنے نقطۂ نظر کو معقول طریقے پر ثابت کرنے کی ان میں اتنی غیر معمولی قابلیت تھی کہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمہ اللہ نے ان کو بیسوی صدی کے نصف اول میں اسلام کا سب سے بڑا متکلم قرار دیا تھا۔ چنانچہ اپنے نقطۂ نظر کو بھی انھوں نے اسی بلاغت، جامعیت اور منطقی استدلال کے ساتھ پیش کیا تھا۔ پھر جس زمانے میں انھوں نے یہ نقطۂ نظر پیش کیا، پورا عالم اسلام مغربی طاقتوں کی سیاسی غلامی کا شکار تھا۔ جو قوم ہزار برس تک دنیا کے اقتدار کی مالک رہی ہو، دور غلامی میں اس کی نفسیات سے یہ بات اتنی قریب تھی کہ گویا:

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اس پر مزید یہ کہ اس زمانے میں ہر جگہ کمیونزم کا طوطی بول رہا تھا۔ یہ نظریہ اقتدار اعلیٰ پر قابض ہو کر سماج کو بدل دینے کا وہ طریقۂ کار دیتا تھا جسے اُس زمانے کے انقلابی فکر میں بہت مقبولیت حاصل ہوگئی۔ کمیونزم کے پیش کرنے والے مفکرین نے یہ کمال کیا تھا کہ انھوں نے انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ ایک ایسا نقطۂ نظر پیش کیا جو ایک سادہ بنیادی خیال، یعنی سماجی ناہمواری کے خاتمے اور معاشی انصاف کے گرد گھومتا تھا۔ مگر اس کے پیچھے فلسفے، تاریخ، معاشیات، سیاست، سماجیات، غرض ہر پہلو سے استدلال فراہم کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے نفاذ کے لیے ایک اقلیتی گروپ کو واضح پروگرام اور لائحۂ عمل بھی دیا گیا کہ کس طرح حکومت پر قبضہ کر کے اپنا نقطۂ نظر پورے سماج پر مسلط کرنا ہے۔ پھر اس انقلاب کو دنیا بھر میں پھیلانے کے لیے ایک پورا پروگرام اور اخلاقی توجیہ بھی دی گئی تھی۔ ان سب سے بڑھ کر حقیقتاً یہ انقلاب دنیا کے ایک بڑے ملک میں آبھی گیا اور اس کی توسیع کا عمل شروع ہو گیا۔

اس چیز نے دنیا بھر کو ہلا کر رکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ اُس دور کے مسلمان بھی اس سے بڑی شدت سے متاثر ہوئے۔ مگر کمیونزم کے لادینی پس منظر کی بنا پر ایک روایت پسند مسلمان ذہن کبھی کمیونزم کو قبول نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ جو اسلامی نظریہ اس مقبول کمیونسٹ طریقۂ کار کا ایک اسلامی متبادل دے سکے، اس میں اُس دور کے لحاظ سے بڑی کشش تھی۔ چنانچہ حکومت الٰہیہ کا نظریہ جس میں صالحین کی ایک جماعت جدوجہد کر کے اقتدار پر قبضہ کرنے اور پہلے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

پورے سماج کو بدل دینے اور پھر دنیا بھر پر اسلام کو غالب کر دینے کی علم بردار تھی، کمیونزم کا ایک بہت اچھا متبادل بن کر سامنے آئی۔

اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں جب کمیونسٹ انقلاب ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا اور کمیونسٹ پارٹی اور ترقی پسند تحریک کی شکل میں تیزی سے ہندوستان کے مسلمانوں میں اپنی جگہ بنا رہا تھا، ایسے میں مولانا مودودی کا کام ایک بہت بڑی خدمت تھا۔ مولانا مودودی نے ایک طرف اپنے مضامین میں (جن کا مجموعہ بعد میں ''تنقیحات'' کے عنوان سے شائع ہوا) مغربی فکر کے بڑھتے ہوئے اثرات پر زبردست چوٹ لگائی تو دوسری طرف کمیونزم کے مقابلے کے لیے اہل اسلام کو گویا اُس دور کا ایک بیانیہ دیا۔ آدھی دنیا میں پھیل جانے والا کمیونزم مذہب کے انکار کی بنیاد پر زندگی کا ایک نظریہ اور نظام دے رہا تھا جو بہت متاثر کن تھا۔ اس کے جواب میں اسلام کو اسی انداز سے پیش کر کے مولانا مودودی نے بہرحال بہت سارے لوگوں کو کمیونزم کی آغوش میں جانے سے بچایا اور اس وقت اسلام کا دفاع کیا جب فکری میدان میں اس کا دفاع کرنے والا کوئی نہ تھا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مولانا کے کام کی مزید عظمت اس وقت واضح ہوتی ہے، جب اس کا تقابل جناب غلام احمد صاحب پرویز کے کام سے کیا جاتا ہے۔ پرویز صاحب نے اسی زمانے میں معاشی نظام، یعنی نظام ربوبیت کو بنیاد بنا کر گویا دین کی ایک معاشی تعبیر دی تھی۔ یہ بھی کمیونزم کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے ایک جوابی بیانیہ تھا۔ مگر اس عمل میں خود قرآن کریم کے ساتھ جو کچھ انھوں نے کیا، اس پر سب سے اچھا تبصرہ خود مولانا مودودی ہی نے کیا ہے کہ مختلف عربی لغات ہاتھ میں اٹھا کر جو کچھ قرآن کریم کے ساتھ کیا جاتا ہے، کوئی شخص یہی کچھ اردو لغات اٹھا کر ان کی اپنی کتابوں کے ساتھ کرنا شروع کر دے تو یہ لوگ چیخ اٹھیں گے۔ اس کے برعکس مولانا کے کام کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کا کام اتنی محکم بنیادوں پر کھڑا تھا کہ اس پر کسی قسم کی گرفت کرنا بہت مشکل تھا۔

یہی وہ وجوہات تھیں کہ جن کی بنا پر اُس دور کے بڑے بڑے اذہان کو اُس فکر نے متاثر کیا۔ اور جو متاثر نہ ہوئے، وہ ان کی تردید میں بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ چنانچہ مجدد وقت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ جیسے بڑے عالم اور عارف کا حال یہ تھا کہ فرماتے تھے کہ (مفہوم جو اس وقت مجھے یاد ہے) ان کی بات درست نہیں اگرچہ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اس میں کیا غلط ہے۔ بہرحال آہستہ آہستہ یہ صورت حال ہوئی کہ مولانا مودودی کے فکر کو مسلمانوں کے بیش تر مذہبی فکری حلقوں، بلکہ پورے عالم اسلام میں قبولیت حاصل ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کے بدترین مخالفین اور ان کے خلاف ''فتنۂ مودودیت'' کی مہم چلانے والے طبقات بھی ان کی فکر کے سامنے سجدہ ریز ہو چکے ہیں۔ وہ ان

ہی کی بولی بولتے اور ان ہی کی تعبیر دین کے مختلف پہلوؤں کو اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں۔

یہاں میں یہ عرض کر دوں کہ میں اپنے ابتدائی فکری سفر میں مولانا مودودی کو اپنا سب سے بڑا محسن خیال کرتا ہوں جن کی تصانیف پڑھ کر میرے اندر اسلام پر اعتماد پیدا ہوا۔ اسی پس منظر میں میں ان کی تعبیر دین اور ان کے نقطۂ نظر کو بالکل درست خیال کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میرے مطالعے میں حضرت مولانا وحید الدین خان صاحب کی کتاب ''تعبیر کی غلطی'' آئی۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں بہت واضح طریقے پر یہ ثابت کر دیا کہ یہ نقطۂ نظر اسلاف کی پوری علمی روایت کے خلاف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا وحید الدین خان صاحب کی یہ کتاب مسلمانوں کے تنقیدی ادب میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا مودودی کا کام جتنا بڑا اور جتنا مدلل تھا، یہ تنقید بھی اتنی اعلیٰ پائے کی ہے۔ سن ۶۳ء میں یہ کتاب شائع ہوئی اور پھر سن ۷۹ء میں یہی کام مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمہ اللہ نے ''عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح'' لکھ کر کر دیا۔

غرض ان دونوں بزرگوں نے خالص علمی تنقید کر کے یہ بتا دیا ہے کہ جن آیات اور اصطلاحات کی بنیاد پر یہ پورا نظریہ قائم کیا گیا ہے، وہ آیات کسی طور یہ بات بیان نہیں کرتیں۔ یہ سرتاسر ایک غلط فہمی ہے جو مولانا مودودی رحمہ اللہ کو لگ گئی تھی۔ تاہم یہ تنقیدیں صرف علمی حلقوں تک محدود رہیں۔ بعد میں ان بزرگوں کی تنقید بس اِدھر اُدھر ہو کر رہ گئی اور سردست عالم اسلام پر مولانا مودودی کی فکر ہی کا غلبہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فکر کی اصل طاقت یہ نہیں کہ اس کی علمی بنیادیں ناقابل تردید تھیں۔ بات دراصل یہ تھی اور ہے کہ یہ نقطۂ نظر مسلمانوں کی نفسیات کے لیے بہت متاثر کن ہے۔ دوسروں کو چھوڑیں خود آج کے دن تک ہماری یہ شدید خواہش ہے کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کا غلبہ ہو اور اسلام غالب ہو جائے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک یہ تنقیدیں سامنے آئیں، مولانا کی تحریک عملاً ایک بہت بڑا حلقۂ اثر قائم کر چکی تھی۔ علمی دنیا کے ساتھ سماج، سیاست اور صحافت میں اس کے بڑے اثرات ہو چکے تھے۔ پھر مولانا وحید الدین خاں صاحب اس زمانے میں بہت کم عمر (انھوں نے یہ کتاب ۳۵ برس کی عمر میں لکھی تھی) نسبتاً غیر معروف شخص تھے۔ ان کا اپنا کوئی حلقۂ اثر تھا، نہ علمی قد و قامت، اس لیے ان کی تنقید معاصر علمی حلقوں میں بھی وہ جگہ نہیں بنا سکی جس کی وہ مستحق تھی۔

چنانچہ مولانا کے افکار پھیلتے گئے اور ان کی فکر نے عالم عجم کے ساتھ عالم عرب کو بھی فتح کر لیا۔ حسن البنا رحمہ اللہ، سید قطب رحمہ اللہ اور اخوان اپنے جذبات اور قربانیوں میں جس جگہ بھی کھڑے ہوں، فکر اور استدلال میں بہر حال وہ مولانا مودودی رحمہ اللہ ہی کے ممنون احسان ہیں۔ سر دست اس وقت امت مسلمہ پر اس پہلو سے اگر کسی شخص کی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فکری بادشاہی قائم ہے تو وہ ہمارے ممدوح حضرت مولانا مودودی رحمہ اللہ ہی کے نظریے کی حکومت ہے۔اور جیسا کہ عرض کیا، ان کے بدترین مخالفین بھی آج ان ہی کی بولی بولتے ہیں۔اگرچہ مولانا کا نام نہیں لیتے نہ ان کو کوئی کریڈٹ دیتے ہیں۔

مولانا مودودی کے نظریات نے اگرچہ مسلمانوں کے مذہبی فکری طبقات کو فتح کر لیا ہے، تاہم حقیقت یہ ہے کہ عوام الناس میں ان کی فکر کو کوئی بہت زیادہ مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔ان کی فکر عوامی تحریک میں تبدیل نہ ہو سکی۔ دوسری طرف مولانا نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کمیونسٹوں کے انقلابی طریقۂ کار کو چھوڑ کر جمہوری طریقے کو نہ صرف اختیار کر لیا، بلکہ سورۂ شوریٰ میں آیت 'اَمۡرُھُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَھُمۡ' کی تفسیر کرتے ہوئے قرآن مجید سے اس کے دلائل بھی فراہم کر دیے۔اس تبدیلی سے مولانا کے فکر کی اخلاقی حیثیت بہت بلند ہو گئی، اگرچہ فوری طور پر ان کی جماعت کو کامیابی نہ مل سکی۔مگر اس کی وجہ اس طریقے کی غلطی نہیں، بلکہ جماعت کا یہ مسئلہ ہے کہ وہ پاکستان اور پاکستانیوں کے مسائل کی سیاست کرنے کے بجائے زیادہ زور اپنے آفاقی ایجنڈے پر دیتی ہے۔میری پختہ رائے ہے کہ پاکستان کی جماعت اسلامی بھی اگر اپنے آفاقی ایجنڈے کو ایک کونے میں رکھ کر صرف پاکستان اور پاکستانیوں کی سیاست شروع کر دے تو آج بھی پاکستان کا معاشرہ کسی صالح اور کرپشن سے بلند قیادت کا منتظر ہے۔جو کچھ ترکی میں ہو رہا ہے، پاکستان میں بھی ہو سکتا ہے۔کاش جماعت کے دوست یہ حقیقت سمجھ سکیں۔بہر حال دنیا بھر میں اہم اسلامی تحریکوں نے جیسے ترکی اور مصر میں مولانا مودودی کی پیروی میں جمہوری طریقے سے جدوجہد کی اور آفاقیت سے کہیں زیادہ زور مقامی مسائل پر دیا۔یوں وہ آخر کار اقتدار تک پہنچ گئیں۔خیر یہ الگ موضوع ہے جس پر کبھی بعد میں تفصیل سے لکھوں گا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تاہم بہت سے لوگ تھے جنھوں نے طریقۂ کار کی اس تبدیلی کو قبول نہیں کیا، بلکہ وہ اور شدت کی طرف چلے گئے۔خاص طور پر عرب آمریتوں نے اخوان کے ساتھ جو سختی کی اس کے ردعمل میں یہ مزید انتہا پسند ہوتے چلے گئے۔ ان میں سے ایک جماعت حزب التحریر تھی۔اس نے اپنے سیاسی نصب العین کے لیے ''خلافت'' کے نعرہ کو اختیار کر لیا۔اس نعرے کی علمی اور دینی قدر و قیمت تو ابھی زیر بحث آجاتی ہے، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ''خلافت'' کی اصطلاح کا نفسیاتی اثر ایک عام مسلمان کے لیے بہت زیادہ ہے۔خلافت کا لفظ سنتے ہی ایک طرف سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی درویشانہ حکومت ذہن میں آتی ہے جس میں شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی پیتے تھے تو دوسری طرف مسلمانوں کا ہزار سالہ اقتدار اور غلبہ یاد آجاتا ہے۔عرب میں اس فکر کو حزب التحریر جیسی جماعتوں نے اور

ہمارے ہاں اس فکر کو ڈاکٹر اسرار مرحوم نے بہت عام کیا۔اس خاکسار کو یہ شرف حاصل ہے کہ جس زمانے میں ڈاکٹر صاحب مرحوم نے تحریک خلافت کا باقاعدہ آغاز کیا، یہ عاجز دن رات ان تمام اجتماعات اور تقریروں میں شریک ہو کر براہ راست وہ استدلال سمجھتا رہا ہے جو ڈاکٹر صاحب مرحوم پیش فرمارہے تھے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی عوامی اپیل حکومت الٰہیہ کے نعرے سے کہیں زیادہ ہے اور الحمدللہ ثم الحمدللہ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

المیہ البتہ یہ ہے کہ اس پورے معاملے میں کوئی اللہ میاں سے پلٹ کر پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ وہ خود کیا فرماتے ہیں۔شاید حضرت اقبال کے اثر سے ہماری خودی اتنی بلند ہو چکی ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ خدا بندے سے خود پوچھتا رہے کہ بتا تیری رضا کیا ہے۔ بندے کا اب یہ کام نہیں رہا کہ وہ خدا کی رضا بھی دریافت کرنے کی کوشش کرے۔اس عاجز نے ابھی تک اس مضمون میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مقصد یہی ہے کہ اس حوالے سے کم از کم اللہ تعالیٰ کی مرضی منشا سے ان ہی کے الفاظ میں لوگوں کو آگاہ کیا جائے، کیونکہ بیانیے کی اس بحث میں خلافت کے حوالے سے جو کچھ پڑھنے کا موقع ملا ہے، اس کے بعد میں اسے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا نقطۂ نظر ان کے اپنے الفاظ میں لوگوں کے سامنے رکھ دوں تاکہ قیامت کے دن کوئی عالم و عامی رب کے حضور یہ نہ کہہ سکے کہ اللہ میاں! سب اپنی باتیں کرتے رہے، آپ کی بات تو کسی نے بتائی ہی نہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آیات قرآنی

ذیل میں قرآن مجید میں خلافت کے موضوع کو زیر بحث لانے والی تمام آیات کا ترجمہ نقل کیا جارہا ہے۔اس میں لفظ 'خلیفہ' کو بعینہٖ بغیر کسی ترجمے کے نقل کیا ہے۔اس کا جو دل چاہے، آپ ترجمہ کر لیں۔نتائج فکر کسی طور مختلف نہیں ہو سکتے۔وہ نتائج کیا ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی مقام پر بھی مجھ سے آپ سے یا کسی سے بھی یہ نہیں کہہ رہے کہ تم خلافت قائم کرنے کی جدوجہد کرو یا یہ کوئی دینی کام ہے یا یہ کہ یہ سرے سے کوئی کرنے کا کام ہے۔ظاہر ہے کہ اگر کوئی چیز دین کا مطالبہ یا دین کا مقصد ہے تو اس کا حکم دیا جانا تو ضروری ہے نا۔اس کے بغیر اس کام کے لیے لوگوں کو کس بنیاد پر اٹھایا جا سکتا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس کے بالکل برعکس ہر مقام پر اللہ تعالیٰ افراد اور اقوام کو خلیفہ بنانے کے عمل کو سرتاسر اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں، یعنی قرآن مجید ہر جگہ اسے ایک تکوینی امر کے طور پر پیش کرتا ہے، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ

آسمان وزمین کے دیگر معاملات کررہے ہیں؛ مثلاً لوگوں کو زندہ کرتے ہیں، مارتے ہیں، رزق دیتے ہیں، اولاد دیتے ہیں، بےکس کی فریادرسی کرتے ہیں، اسی طرح وہ خلافت کے متعلق بھی واضح کررہے ہیں کہ لوگوں کو خلافت وہی دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس معاملے کو اللہ تعالیٰ ایک تکوینی معاملہ قرار دے رہے ہیں، اس کو تشریعی معاملہ کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ جو اللہ کے کرنے کا کام ہے، وہ ایک دینی فریضہ کیسے بن سکتا ہے؟

تیسرے یہ کہ کئی مقامات پر یہ صراحت کی گئی ہے کہ کفار کو بھی زمین پر خلیفہ بنایا گیا ہے۔ کفار قریش، قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود سب کے متعلق یہ تصریح ہے کہ ان کو زمین پر خلیفہ بنایا گیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان کفار کو بھی خلیفہ بنایا گیا تو اس معاملے کو مسلمانوں کے ساتھ کیسے خاص کیا جاسکتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جس جگہ پر مسلمانوں کو خلیفہ بنانے کا ذکر ہے، وہاں اسے مسلمانوں کے کسی مقصد کے طور پر بیان نہیں کیا گیا، بلکہ یہ اللہ کے وعدے کا بیان ہے کہ جو لوگ ایمان و عمل صالح کی شرط پر پورا اتریں گے، یہ ان سے اللہ کا وعدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ امر موعود کو امر مقصود کیسے بنایا جاسکتا ہے، یعنی جو اللہ کا وعدہ ہے، وہ اللہ پورا کریں گے۔ ہمیں تو جو کام بتایا گیا ہے، یعنی ایمان و عمل صالح؛ ہمیں تو لوگوں کو اس کے لیے اٹھانا چاہیے۔ نہ کہ خلافت کے کسی نظریے کو مقصود دین کے طور پر پیش کرنے لگیں۔

پانچویں اور آخری بات یہ ہے کہ یہ کسی فقہی امر کو متعین کرنے کا معاملہ نہیں جس میں فقہا کے اقوال نقل کرکے قوم کو اس کے پیچھے دوڑا دیا جائے۔ یہ دین کے نصب العین کا معاملہ ہے۔ یہ ایک دینی فریضے کا معاملہ ہے۔ اس پر قرآن مجید کی واضح ترین صراحت چاہیے۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ نہ صرف قرآن مجید اسے کسی دینی فریضے کے طور پر بیان نہیں کرتا، بلکہ ہر پہلو سے اس کے متضاد بات کرتا ہے۔ ایسے میں ہماری ناقص رائے میں قرآن مجید اس نقطۂ نظر کے بالکل خلاف کھڑا ہوا ہے۔ اب ذرا آیات الٰہی کا مطالعہ فرمالیجیے:

> ’’(کیا تمھارے یہ شرکا عبادت کے مستحق ہیں) یا وہ جو محتاج کی دادرسی کرتا ہے، جبکہ وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کے دکھ درد دور کرتا ہے اور تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔‘‘ (النمل ۲۷: ۶۲)

> ’’اور ہم نے تم سے پہلے قوموں کو ہلاک کیا، جبکہ وہ ظلم کی مرتکب ہوئیں۔ اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور وہ ایمان لانے والے نہ بنے۔ ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں مجرم قوم کو۔ پھر ہم نے ان کے بعد تم کو زمین کا خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں تم کیسا عمل کرتے ہو۔‘‘ (یونس ۱۰: ۱۳-۱۴)

> ’’وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تو جو کفر کرے گا، اس کے کفر کا وبال اسی پر آئے گا اور کافروں کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لیےان کا کفر، ان کے رب کے نزدیک، اس کے غضب کی زیادتی ہی کا موجب ہوگا۔ اور کافروں کے لیےان کا کفران کے خسارے ہی میں اضافہ کرے گا۔‘‘ (فاطر ۳۵: ۳۹)

’’(حضرت ہود نے اپنی قوم عاد سے کہا): اور یاد کرو، جبکہ اس نے تمھیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا اور جسمانی اعتبار سے تمھیں وسعت و کشادگی عطافرمائی تو اللہ کی شانوں کو یاد رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘ (الاعراف ۷: ۶۹)

’’(حضرت صالح نے اپنی قوم ثمود سے کہا): اور یاد کرو، جبکہ خدا نے قوم عاد کے بعد تم کو خلیفہ بنایا اور ملک میں تم کو تمکن بخشا، تم اس کے میدانوں میں محل تعمیر کرتے اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو تو اللہ کی شانوں کو یاد کرو اور ملک میں اودھم مچاتے نہ پھرو۔‘‘ (الاعراف ۷: ۷۶)

’’اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کے درجے دوسرے پر بلند کیے تاکہ جو کچھ اس نے تمھیں بخشا ہے، اس میں تم کو آزمائے، بے شک تیرا رب جلد پاداش عمل دینے والا بھی ہے اور وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے۔‘‘ (الانعام ۶: ۱۶۵)

’’اور تیرا رب بے نیاز، رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے تم کو فنا کر دے اور تمھارے بعد تمھاری جگہ جس کو چاہے، خلیفہ بنا دے جس طرح اس نے تم کو پیدا کیا دوسروں کی نسل سے۔‘‘ (الانعام ۶: ۱۳۳)

’’پس اگر تم اعراض کر رہے ہو تو میں نے تمھیں وہ پیغام پہنچا دیا جو دے کر مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا ہے۔ اور میرا رب تمھاری جگہ اب تمھارے سوا کسی اور قوم کو خلیفہ بنائے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے۔ میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔‘‘ (ہود ۱۱: ۵۷)

’’اور یاد کرو، جبکہ تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، انھوں نے کہا: کیا تو اس میں اس کو خلیفہ مقرر کرے گا جو اس میں فساد مچائے اور خوں ریزی کرے۔‘‘ (البقرہ ۲: ۳۰)

’’اے داؤد، ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ پس لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔‘‘ (ص ۳۸: ۲۶)

’’تو انھوں نے اس (نوح) کو جھٹلا دیا تو ہم نے اس کو اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ان کو خلیفہ بنا دیا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو دیکھو کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جن کو ہوشیار کیا جا چکا تھا!!‘‘ (یونس ۱۰: ۷۱-۷۳)

’’وہ بولے: ہم تو تمھارے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور تمھارے آنے کے بعد بھی۔ (موسیٰ نے) کہا: توقع ہے کہ تمھارا رب تمھارے دشمن کو پامال کرے گا اور تم کو زمین میں خلیفہ بنائے گا کہ دیکھے تم کیا روش اختیار کرتے ہو!‘‘ (الاعراف ۷: ۱۲۹)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے عملِ صالح کیے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے اس دین کو متمکن کرے گا جس کو ان کے لیے پسندیدہ ٹھیرایا اور ان کی اس خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھیرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں گے تو درحقیقت وہی لوگ نافرمان ہیں۔'' (النور۲۴: ۵۵)

یہ قرآن مجید میں خلافت کے حوالے سے آنے والے کل بیانات ہیں جو بعینہٖ آپ کے سامنے ہیں۔ ان آیات کو پڑھیے اور بار بار پڑھیے۔ آپ ایک لمحے میں یہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر خلیفہ بنانے کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ اسے کسی دینی فریضے کے طور پر نہیں، بلکہ بطور آزمایش یا بطور انعام بیان کیا گیا ہے۔ یہ خلافت اہل ایمان کو دینے کا بیان ہے تو کفار کو بھی دیے جانے کا ذکر ہے۔

ان آیات سے یہ بات آخری درجہ میں واضح ہے کہ اس سے خلافت قائم کرنے کی کسی جدوجہد پر اٹھانے کا کوئی اشارہ نہیں۔ ایسا کوئی دینی حکم نہیں کہ خلافت قائم کرنے کی جدوجہد کرو، بلکہ اس کے برعکس اسے ایک تکوینی معاملے کے طور پر بیان کیا گیا ہے، یعنی یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اس میں کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ایمان صالح کی بنیاد پر خلافت کی خوش خبری دیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے حوالے سے اگر کوئی نتیجہ نکلتا ہے تو وہ یہ نکلتا ہے کہ ایمان و عمل صالح کی وہ تحریک برپا کریں جس کے لیے اس خاکسار نے اپنی زندگی وقف کی ہے۔ یہ کیفیت اگر پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ خلافت عطا کر دیں گے، کیونکہ سورۂ نور کی آیت نص قطعی ہے کہ یہ امر مقصود نہیں امر موعود ہے، یعنی یہ دین کا کوئی حکم نہیں، بلکہ دین پر پوری طرح عمل کرنے کا انعام ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

قرآن نے یہی بات 'خلیفہ' کا لفظ استعمال کیے بغیر بھی بیان کی ہے۔ سورۂ اٰل عمرٰن میں جس مقام پر اس فیصلۂ الٰہی کا اعلان ہو رہا ہے کہ یہود کو منصب امامت سے معزول کیا جا رہا ہے اور بنی اسماعیل کو اس منصب پر فائز کیا جا رہا ہے، وہاں یہ فیصلہ ایک دعا کی شکل میں امت کو سکھایا گیا ہے۔ اس دعا میں خلافت کی جگہ بادشاہی کے الفاظ استعمال کر کے ٹھیک یہی بات بتا دی گئی ہے:

''دعا کرو، اے اللہ، بادشاہی کے مالک، تو ہی جس کو چاہے بادشاہی دے، جس سے چاہے بادشاہی چھینے اور تو ہی جس کو چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں خیر ہے۔ بے شک، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو، رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے زندہ کو مردہ سے اور ظاہر

کرتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو جس پر چاہتا ہے اپنا بے حساب فضل کرتا ہے۔" (آل عمران ۳: ۲۶-۲۷)

دیکھ لیجیے کہ یہاں بھی بادشاہی دینے اور لینے کو ایک تکوینی معاملے، یعنی فیصلۂ الٰہی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اہل ایمان کو اس مقصد کے لیے کسی جدوجہد کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ اسے دیگر تکوینی معاملات کے ساتھ بطور قدرت الٰہی کے بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے کسی قسم کی سیاسی جدوجہد کر کے حکومت قائم کرنا کس طرح دین کا کوئی مطالبہ بن سکتا ہے۔ ایک دوسری جگہ خلافت کا ایک دوسرا اہم معنی لفظ، یعنی 'تمکن فی الارض' یا زمین پر اقتدار بخشنا کے الفاظ سے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ اللہ کا کام ہے کہ وہ اقتدار دے:

"یہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو سرزمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز کا اہتمام کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔ اور انجام کار کا معاملہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔" (الحج ۲۲: ۴۱)

یہ ہے اس معاملے میں قرآن مجید کا نقطۂ نظر جو ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ ہمارا مقصود کسی کو فکری شکست دینا نہیں، اللہ کی مرضی کو کھول کر بیان کرنا ہے۔ تاکہ کل قیامت کے دن لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ پروردگار کسی نے آپ کی بات سمجھائی ہی نہیں۔ ہمیں کسی بحث میں نہیں الجھنا، صرف لوگوں سے یہ گواہی چاہیے کہ ہم نے اپنے رب کی بات بعینہٖ ان کے سامنے رکھ دی ہے۔ اب جس کا دل چاہے وہ مانے اور جس کا دل چاہے نہ مانے۔

آخری بات: دین کا نصب العین کیا ہے؟

اس ضمن میں ایک آخری سوال جس کا مختصر جواب دے کر ہم یہ گفتگو ختم کریں گے، وہ یہ ہے کہ پھر دین اپنا نصب العین کیا بیان کرتا ہے؟ ہمارے نزدیک اس معاملے میں درست بات وہی ہے جو حضرت الاستاذ جناب جاوید احمد صاحب غامدی نے قرآن مجید کی روشنی میں بیان کی ہے۔ یعنی دین ایک فرد کے سامنے یہ مقصد رکھتا ہے کہ وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔ قرآن مجید جگہ جگہ اسی تزکیہ پر جنت کی کامیابی کو موقوف قرار دیتا ہے۔ اسی کو چار مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کامیاب ہوا وہ جس نے اپنا تزکیہ کیا اور اپنے پروردگار کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی۔" (الاعلیٰ ۸۷: ۱۴-۱۵)

"قسم ہے نفس انسانی کی اور جیسا کہ اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کی بدی اور تقویٰ اسے الہام کیا، کامیاب ہوا وہ جس نے اس نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے آلودہ کیا" (الشمس ۹۱: ۷-۱۰)

"وہی ذات ہے جس نے اِن امیوں میں ایک رسول اُنھی میں سے اٹھایا ہے جو اُس کی آیتیں اِن پر تلاوت کرتا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہے اور اِن کا تزکیہ کرتا ہے اور (اِس کے لیے) اِنھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' (الجمعہ ۶۲:۲)

یہی وہ تزکیہ، یعنی عقیدے، عمل اور اخلاق کو ہر آلایش سے پاک کرنے کا وہ عمل ہے جو ایک مومن کی زندگی میں ہمہ وقت جاری رہتا ہے۔ تمام احکام دین اسی مقصد کے حصول کے لیے دیے گئے ہیں۔ یہی وہ تزکیہ ہے جو جنت میں داخلے کی اصل وجہ ہے، (طٰہٰ ۲۰:۷۶) اور قرآن مجید کے مطابق اس میں کوئی کمی رہ گئی تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیں گے اور نافرمانوں کو اس سے محروم رکھیں گے (البقرہ ۲:۱۷۴)۔

ہمارے نزدیک دور جدید کی سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ لوگوں نے اپنی ذات کے تزکیے کو چھوڑ کر خارج میں دوسروں پر دین نافذ کرنے اور ان پر زبردستی اسلام کو ٹھونسنے کو اصل دین بنا دیا ہے، حالاں کہ قرآن مجید بالکل واضح ہے کہ دوسروں کے حوالے سے ذمہ داری صرف پہنچانے اور سمجھانے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس دنیا کے بارے میں یہ اسکیم ہی نہیں کہ لوگوں کو زبردستی نیک بنایا جائے۔ اسے تو اپنی جنت کے لیے ایسے لوگ چاہییں جو زبردستی اور منافقانہ طور پر نہیں، بلکہ دلیل کی بنیاد پر ایمان لا کر اپنے اختیار کو خدا کے سامنے ختم کر دیں۔ وہ کسی جبر کے بغیر نیک بن جائیں۔ اگر بالجبر لوگوں سے سچائی منوانی اور اچھے کام کروانے ہوں تو اللہ تعالیٰ کا ایک اشارہ ہو گا اور دنیا میں کوئی نافرمان نہ رہے گا۔ مگر پھر امتحان بھی نہیں رہے گا۔

یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اس میں خیر و شر کی پوری آزادی ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسی خیر و شر کے شعور کو زندہ رکھنے کے لیے ہدایت، شہادت حق، تواصوا بالحق، امر بالمعروف ونہی المنکر، انذار و تذکیر کا پورا سلسلہ برپا کیا گیا ہے۔ ڈرانا دھمکانا، جبر اور زبردستی اللہ کی اسکیم نہیں۔ اس حوالے سے لوگوں میں بہت غلط فہمیاں ہیں۔ مگر سردست وہ میرا موضوع نہیں ہے۔ اصل بات سمجھ لیں۔ جبر اللہ کی اسکیم کا حصہ نہیں۔ اسی کی روشنی میں دین کے ہر حکم کو سمجھنا چاہیے۔ جو اس سے ہٹ کر قرآن و حدیث میں ملے گا، وہ ایک استثنا ہو گا جس کا موقع محل جو چاہے گا ہم واضح کر دیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رضوان اللہ

بعد از موت

(۷)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فیصلہ

جب ہر شخص اپنے اعمال کو دیکھ لے گا تو عدل کی میزان کھڑی کی جائے گی جو بالکل انصاف کے ساتھ ان کا تول کر دے گی۔ اس میزان کے فیصلے میں نہ کسی پر ظلم ہو گا اور نہ زیادتی۔ اس کے تولنے کی صلاحیت اس قدر ہو گی کہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عمل بھی، چاہے وہ رائی کے دانے کے برابر ہو، اس میں تولا جا سکے گا، لیکن اس میں عجیب بات یہ ہو گی کہ اس کے کانٹے کو صرف وہ عمل ہلا پائے گا جو اپنی ذات میں حق تھا اور خدا اور آخرت کو سامنے رکھ کر انجام دیا گیا تھا۔ اس کے برخلاف، ہر وہ عمل جو باطل تھا اور خدا اور آخرت کے دن سے بے پروا ہو کر کیا گیا تھا، اس میزان میں بالکل بے وزن ہو گا۔ اب جن کے پلڑے بھاری رہیں گے وہ کامیاب اور جن کے پلڑے ہلکے اور بے وزن رہ جائیں گے وہ ناکام ٹھیریں گے اور اس طرح کامیابی اور ناکامی کا اعلان ہو جانے کے بعد عدالتی کارروائی اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی:

وَ نَضَعُ الۡمَوَازِیۡنَ الۡقِسۡطَ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ، فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡئًا، وَاِنۡ کَانَ مِثۡقَالَ حَبَّۃٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَیۡنَا بِہَا وَ کَفٰی بِنَا حٰسِبِیۡنَ. (الانبیاء ۲۱: ۴۷)

’’(انھیں بتاؤ کہ) روز قیامت کے لیے ہم انصاف کی ترازو رکھ دیں گے۔ پھر کسی جان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہو گا تو ہم اس کو لا موجود کریں گے۔ ہم (لوگوں کا) حساب لینے کے لیے کافی ہیں۔‘‘

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ. (الاعراف ۷: ۸)

''اور وزن کی چیز اس روز صرف حق ہوگا۔''

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا. (الکہف ۱۸: ۱۰۵)

''یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیات اور اس سے ملاقات کا انکار کیا۔ سو اُن کے اعمال ضائع ہوئے۔ اب قیامت کے دن ہم ان کو کوئی وزن نہ دیں گے۔''

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ، وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ، وَمَآ اَدْرٰكَ مَاهِيَهْ، نَارٌ حَامِيَةٌ. (القارعہ ۱۰۱: ۶-۱۱)

''پھر جس کے پلڑے بھاری ہوئے، وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے پلڑے ہلکے ہوئے، اُس کا ٹھکانا گہری کھائی ہے۔ اور تم کیا سمجھے کہ وہ کیا ہے؟ دہکتی آگ ہے۔''

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ. (الزمر ۳۹: ۶۹)

''اور اُن کے درمیان بالکل حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کامیاب ہوجانے والے اپنی ریاضتوں کا صلہ سامنے آتا دیکھ کر شاداں و فرحاں ہوں گے۔ ان کے درمیان یگانگت کا ماحول ہوگا۔ انس اور محبت کی فضائیں ہوں گی۔ انھیں ہر طرف سے مبارک سلامت کے پیام موصول ہو رہے ہوں گے۔ اس کے مقابلے میں وہ لوگ جو ناکام ٹھیریں گے، انھیں اپنے کیے پر سخت ندامت اور شرمساری ہو گی۔ حسرت کا وہ روگ ہوگا جو ہر پل ان کو ڈستا ہوگا۔ آپس میں بدزبانی ہو رہی ہوگی اور ان کی باہمی محبتیں نفرت اور بے زاری میں بدل جائیں گی۔ خدا کے پیغمبروں کو چھوڑ کر جن رہنماؤں کی پیروی کی گئی، وہاں وہ اپنے متبعین سے اظہار براءت کر دیں گے۔ اس پر متبعین بھی آہیں بھر بھر کے کہیں گے کہ اے کاش، ہمیں دوبارہ موقع ملے تو ہم بھی تم سے اسی طرح بے تعلق ہو جائیں:

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ. (یونس ۱۰: ۵۴)

''(اس وقت) یہ دل ہی دل میں پچھتائیں گے، جب عذاب کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں گے۔''

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ. (مریم ۱۹: ۳۹)

''انھیں حسرت کے اُس دن سے خبردار کر دو، جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔''

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ. (الزخرف ۴۳: ۶۷)

''دنیا کے سب دوست، سوائے پرہیزگاروں کے، اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔''

اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا وَرَاَوُ الۡعَذَابَ وَتَقَطَّعَتۡ بِهِمُ الۡاَسۡبَابُ. وَقَالَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا لَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنۡهُمۡ کَمَا تَبَرَّءُوۡا مِنَّا. (البقرہ۲: ۱۶۶-۱۶۷)

''اُس وقت جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی، اپنے پیروؤں سے بےتعلقی ظاہر کر دیں گے اور عذاب سے دوچار ہوں گے اور اُن کے تعلقات یک قلم ٹوٹ جائیں گے۔ اور ان کے پیرو کہیں گے کہ اے کاش، ہمیں ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع ملے تو ہم بھی ان سے اسی طرح بےتعلقی ظاہر کریں، جس طرح انھوں نے ہم سے بےتعلقی ظاہر کی ہے۔''

اور تو اور وہ شیطان کہ جس کے پیچھے ان لوگوں نے ہمیشہ کا نقصان مول لے لیا، وہ بھی جب ان کی باہمی تو تکار سنے گا تو یہ کہتا ہوا وہاں سے کھسک جائے گا:

وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُکُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ، مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِکُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِیَّ، اِنِّیۡ کَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَکۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ، اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ. (ابراہیم۱۴: ۲۲)

''میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ تمھیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اس لیے مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ اب نہ میں تمھاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ تم نے جو مجھے شریک ٹھیرایا تھا، میں اس کا پہلے سے انکار کر چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی طرح کے ظالم ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

بہرصورت، اس دن ناکام ہو جانے والے کچھ بھی کہیں اور کچھ بھی نالہ و فریاد کریں، خدائی فیصلہ اس سب کے باوجود نافذ ہو کر رہے گا اور ان کو دوزخ میں ڈال دینے کے احکام جاری کر دیے جائیں گے:

خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ، ثُمَّ الۡجَحِیۡمَ صَلُّوۡهُ. (الحاقہ ۶۹: ۳۰-۳۱)

''اِس کو پکڑو اور اِس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اِس کو دوزخ میں جھونک دو۔''

دنیا کی عدالتوں کے برخلاف، خدا کی عدالت ہر طرح سے صحیح اور غلط میں امتیاز اور نیک و بد میں فرق کر دے گی۔ لہٰذا عدل و انصاف کے اس کامل ظہور کے بعد ہر طرف خدا کی حمد کے ترانے پڑھے جا رہے ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَقِیۡلَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ

''اور اُن کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (الزمر ۳۹: ۷۵) گا اور کہا جائے گا کہ شکر کا سزاوار اللہ پروردگارِ عالم ہے۔''

دوزخ

دین اسلام کا بنیادی مقصد انسان کا تزکیہ اور اس کی طہارت ہے۔ جس طرح ملاوٹی سونے کا کھوٹ دور کرنے کے لیے آگ کی بھٹی دہکائی جاتی اور اس کے اندر اسے تپا کر خالص کیا جاتا ہے، اسی طرح جو لوگ اپنا میل کچیل دین کے ذریعے سے دور نہ کریں گے، انھیں پاک صاف کرنے کے لیے دوزخ کی آگ دہکائی جائے گی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دوزخ آلودہ نفس لوگوں کے تزکیہ کی جگہ ہے اور آگ میں تپانے کا یہ دورانیہ اُن کی سزا۔ دوزخ میں تپائے جانے کے عمل کی شدت اور اس میں رہنے کی مدت، دونوں اس بات پر منحصر ہوں گی کہ اس میں جھونکے جانے والے شخص کی غلاظتیں کس حد تک کثیف اور متعفن ہیں۔ جیسے جیسے لوگ اپنی گندگیوں کا ازالہ کرتے چلے جائیں گے، ویسے ویسے ان کی وہاں سے خلاصی ہوتی چلی جائے گی۔ البتہ، کچھ مجرم ایسے بھی ہوں گے کہ جن میں جوہرِ خالص ڈھونڈے سے نہ ملے گا اور وہ اپنی ذات میں نرا کھوٹ ہوں گے۔ اس طرح کے مجرموں کے لیے دوزخ تزکیے کی نہیں، سزا کی جگہ ہوگی، اس لیے انھیں ہمیشہ کے لیے اس میں پڑا چھوڑ دیا جائے گا۔

ہمیشہ کی سزا پانے والے کون ہوں گے؟ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کے سامنے سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جائیں، جان بوجھ کر کفر و شرک کرنے لگیں، نفاق کے روگی ہو جائیں، جان اور مال اور آبرو کے خلاف سنگین کبائر کا ارتکاب کرنے لگیں[1]، یا گناہ کی زندگی کو اس طرح اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں کہ معلوم ہو گناہ انھیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، ایسے سب لوگ خلود فی النار کے مستحق ٹھیریں گے اور دائمی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

تاہم ابدی سزا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لوگ بالکل اسی طرح ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے، جس طرح جنتی ہمیشہ کے لیے جنت میں رہیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیرِنظر قرآن کی تعلیمات اصل میں مذکورہ جرائم کی سزاؤں کا بیان ہیں کہ جن کے اطلاق میں پروردگار عالم کسی بھی درجے میں تغیر کا اختیار ضرور رکھتا ہے۔ اس کی رحمت مدنظر رہے تو اس تغیر کی تین صورتیں فرض کی جا سکتی ہیں: ایک یہ کہ اس دوزخ ہی کو ختم کر دیا جائے۔ دوسری یہ کہ دوزخ تو قائم رہے، مگر ان ابدی سزا پانے والوں میں سے وہ لوگ جو ایمان سے بالکل تہی دامن رہے ہوں، مستقل جلتے رہنے سے جس طرح کھوٹ بھی آخر کار راکھ میں بدل جاتا ہے، اسی طرح انھیں بھی کسی روز راکھ کی صورت میں بدل کر ان کی ہستی کو فنا کر دیا جائے۔ تیسری یہ کہ دوزخ قائم رہے اور مجرموں میں سے وہ لوگ جو کم تر درجے کا ایمان،

---

[1] مثال کے طور پر، کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیں، قانونِ وراثت کی خلاف ورزی کریں یا بدکاری کے عادی مجرم ہو جائیں۔

بہرحال رکھتے ہوں، انھیں بھی زندہ رکھا جائے اور اسی ایمان کا لحاظ رکھتے ہوئے آخرکار انھیں دوزخ سے خلاصی دے دی جائے۔[۲] اگلی دنیا کے بارے میں قیاس کرنا موزوں نہیں ہے، مگر قرآن مجید کے کچھ اشارات ہیں جو اس کی بنیاد فراہم کرتے ہیں:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ، خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ، اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ، وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ.

(ہود ۱۱: ۱۰۶-۱۰۸)

''پھر جو بدبخت ہوں گے، وہ دوزخ میں جائیں گے۔ انھیں وہاں چیخنا اور چلانا ہے۔ وہ اسی میں پڑے رہیں گے، جب تک (اُس عالم کے) زمین و آسمان قائم ہیں۔ الاّ یہ کہ تیرا پروردگار کچھ اور چاہے۔ اس میں شک نہیں کہ تیرا پروردگار جو چاہے، کرگزرنے والا ہے۔ رہے وہ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے۔ وہ اسی میں رہیں گے، جب تک (اُس عالم کے) زمین و آسمان قائم ہیں، الاّ یہ کہ تیرا پروردگار چاہے، ایسی عطا کے طور پر جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

پہلا یہ کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر خوش بخت لوگوں کے صلے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: 'عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ' کہ ان پر ہونے والی عنایتیں مستقل ہوں گی اور ان میں کوئی انقطاع نہیں ہوگا، مگر بدبخت لوگوں کی سزا کو 'اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ' کہ تیرا رب جو چاہے کرسکتا ہے، کہہ کر اللہ تعالیٰ کے ارادے سے متعلق کر دیا گیا ہے:

دوسرا یہ کہ دوزخ پروردگار کا کوئی وعدہ نہیں ہے، بلکہ مجرموں کو سنائی جانے والی ایک وعید ہے۔ کچھ دینے کا وعدہ کیا جائے تو اس کو پورا کرنا اخلاقی طور پر لازم ٹھیرتا ہے، مگر سزا کی دھمکی دے کر پھر چھوڑ دیا جائے تو اسے برا نہیں جانا جاتا، بلکہ قابل تحسین سمجھا جاتا ہے۔ آخرت میں اگر مجرموں کو بالکل ہی معاف کر دیا جائے تو یہ بات عدل کے منافی اور دیگر لوگوں کے حق تلف کرنے کے مترادف ہوگی، اس لیے انھیں سزا تو ضرور دی جائے گی۔ تاہم اگر ہمیشہ کی سزا سے انھیں خلاصی دے دی جائے تو یہ بات عدل کے خلاف نہیں ہوگی، بلکہ خدا کے فضل کے عین مطابق ہوگی۔

۲۔ یہ ضروری نہیں کہ ابدی سزا کے مستحق ان مجرموں کو رہائی دینے کے بعد اُسی جنت میں جگہ ملے جو صالحین کو انعام کے طور پر عنایت ہوگی۔ البتہ، یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ پروردگار کی جو رحمت ان کی سزا میں تخفیف کا باعث بنے، وہی رحمت ان کے لیے کسی دور دراز کے سیارے میں الگ سے جنت بسانے کا انتظام بھی کر دے۔ اور اگر جنت نہ بھی ملے تو کیا ہے! ان کے لیے یہی بات جنت کے مترادف ہوگی کہ یہ دوزخ سے بالآخر نکال لیے جائیں۔

تیسرا یہ کہ رحمت اور غضب، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں، مگراس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کر گئی ہے۔ اگراس کی رحمت کے مستحق قرار پانے والے ہمیشہ جنت کے مزے لوٹیں اوراس کے غضب کا شکار ہونے والے ہمیشہ دوزخ کی آگ کو بھگتیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس سے یہ دونوں صفتیں ہر طرح سے ایک ہی درجے میں روبہ عمل ہیں، دراں حالیکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ چنانچہ رحمت کا غضب سے آگے بڑھ جانا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ مجرموں کو ابدی سزا دیے جانے کے فیصلے میں بھی اس کا ظہور ہو۔

بہرحال، جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اس باب میں حتمی بات کرنا ممکن نہیں، کچھ اشارے تھے جن کا ہم نے ذکر کر دیا ہے، وگرنہ اصل علم تو پروردگار عالم کے پاس ہے۔

جہنم کس طرح کی ہوگی، قرآن مجید نے اس کے بارے میں بھی کچھ معلومات دی ہیں۔ بیان ہوا ہے کہ اس کے سات دروازے ہوں گے، جن میں مجرموں کو ان کے جرائم کے اعتبار سے داخل کیا جائے گا۔ ان کی تعداد سات ہونے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ قرآن مجید نے جن مہلک برائیوں کا ذکر کیا ہے، ان کا شمار کریں تو وہ سات عنوانات کے تحت آ جاتی ہیں: شرک، قطع رحم، قتل، زنا، جھوٹی شہادت، اثم اور عدوان۔ چنانچہ انھی مہلکات کی بنیاد پر مجرموں کو خاص دروازوں سے داخل کیا جائے گا:

لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ، لِكُلِّ بَابٍ مِّنۡهُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ. (الحجر ۱۵: ۴۴)

''اس (جہنم) کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ خاص کر دیا گیا ہے۔''

فرشتوں کی تعداد، جو اس دوزخ پر مقرر ہوں گے، انیس بتائی گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ اُس دنیا کی باتیں ہیں، جہاں کے نوامیس یہاں سے بہت مختلف ہوں گے۔ ہم نے نہ جہنم دیکھی ہے، اللہ اس کے دیکھنے سے ہمیں محفوظ رکھے، اور نہ ہم خدا کے اُن فرشتوں کی صلاحیت کار سے واقف ہیں، جو اس پر متعین کیے جائیں گے، اس لیے ان کی تعداد کے انیس ہونے میں کسی اچنبھے یا حیرت کی کوئی وجہ نہیں ہے:

عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ. (المدثر ۷۴: ۳۰)

''اُس (دوزخ) پر انیس (فرشتے) مقرر ہیں۔''

مجرم اپنا فیصلہ سن لینے کے بعد اُس وسیع و عریض اور ہولناک سزا گاہ کو جس کے ایک چھوڑ سات دروازے ہوں گے اور جو خدائی فرشتوں کے زیر انتظام ہوگی، اپنے سامنے کھڑی دیکھیں گے۔ یہ وہی دوزخ ہوگی کہ جس سے بچنے کے لیے انھیں کہا جاتا اور یہ اعراض کر جاتے، اس پر اَن دیکھا ایمان نہ لاتے اور اسے کھلی آنکھوں سے دیکھ کر ماننے پر اصرار کیا کرتے۔ ان لوگوں کے لیے دوزخ کا غیظ و غضب دیدنی ہوگا۔ یہ دور سے آتے ہوں گے کہ وہ انھیں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو جائے گی:

وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِمَنۡ یَّرٰی. (النّٰزعٰت ۷۹: ۳۶)

''اور دوزخ اُن کے سامنے بے نقاب کر دی جائے گی جو اُس سے دوچار ہوں گے۔''

اِذَا رَاَتۡھُمۡ مِّنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ سَمِعُوۡا لَھَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیۡرًا. (الفرقان ۲۵: ۱۲)

''وہ ان کو دور ہی سے دیکھے گی تو (دیکھتے ہی بپھر جائے گی اور) یہ اس کا بپھرنا اور دھاڑنا سنیں گے۔''

جب مجرموں کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو ان کے ہر طرف اندھیرے براجمان ہوں گے۔ ظلمتیں کسی آسیب کی طرح چھا رہی ہوں گی۔ سیاہیوں کے ایسے بادل ہوں گے کہ چھٹنے کا نام نہ لیں گے۔ یہ لوگ انھی تاریکیوں میں گھرے ہوئے، ٹھوکریں کھاتے اور گرتے پڑتے چل رہے ہوں گے۔ جب روشنی کی تلاش میں ایمان والوں سے مدد مانگیں گے تو یکسر ناکام ہوں گے۔ بعد ازاں ان کے اور اہل ایمان کے درمیان میں ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ اس دیوار میں ایک دروازہ ہو گا جس میں سے اہل ایمان تو گزرتے ہوئے رحمت میں جا داخل ہوں گے اور یہ خدا کا عذاب بھگتنے کے لیے باہر رہ جائیں گے:

یَوۡمَ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِکُمۡ، قِیۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَکُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا، فَضُرِبَ بَیۡنَھُمۡ بِسُوۡرٍ لَّہٗ بَابٌ، بَاطِنُہٗ فِیۡہِ الرَّحۡمَۃُ وَ ظَاھِرُہٗ مِنۡ قِبَلِہِ الۡعَذَابُ. (الحدید ۵۷: ۱۳)

''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان کو پکاریں گے کہ ذرا ہم پر بھی عنایت فرمائیے کہ آپ کی روشنی سے ہم بھی کچھ فائدہ اٹھا لیں، مگر اُن سے کہا جائے گا: (نہیں)، تم پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ اور (وہیں اپنے لیے) روشنی تلاش کرو۔ پھر اُن کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا۔ اُس کے اندر رحمت ہو گی اور باہر عذاب۔''

مجرم دوزخ میں داخل کرنے کے لیے گروہ در گروہ لائے جائیں گے۔ وہ سب مذہبی و غیر مذہبی رہنما جنھوں نے سیدھی راہ کو مشتبہ کیا، اس پر پہرے لگائے اور اپنی خود ساختہ راہوں پر ڈال کر لوگوں کو گم راہ کر دیا، اس روز بھی قیادت کر رہے ہوں گے۔ جو لوگ آنکھیں بند کر کے اور بطن و فرج کے غلام ہو کر ان کی اتباع کرتے رہے، اُس روز یہی رہنما انھیں اپنے ساتھ دوزخ میں لے جا کر دم لیں گے:

وَ سِیۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَھَنَّمَ زُمَرًا.

''اور جنھوں نے انکار کیا، وہ جہنم کی طرف گروہ در

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

(الزمر ۳۹: ۷۱) | گروہ ہانکتے ہوئے لائے جائیں گے۔‘‘

فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ، وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ، يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ، وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ. (ہود ۱۱: ۹۷-۹۸)

’’پھر انھوں نے فرعون کی بات مانی، درآں حالیکہ فرعون کی بات راست نہیں تھی۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انھیں دوزخ میں لے جا اتارے گا۔ کیا ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ اتریں گے۔‘‘

مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکا جائے گا تو ان کے گلے میں آہنی طوق ہوں گے۔ پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ہوں گی۔ فرشتے انھیں چٹیا اور پاؤں سے پکڑ کر کھینچ رہے ہوں گے۔ جب پاؤں سے پکڑ کر انھیں کھینچا جائے گا تو ظاہر ہے کہ اس وقت ان کے چہرے زمین کے ساتھ گھسٹ رہے ہوں گے۔ گویا عجیب بے بسی اور انتہائی ذلت کا رویہ ہوگا جو ان کے ساتھ روا رکھا جائے گا:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ. (المومن ۴۰: ۷۱)

’’جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور (ان کے پاؤں میں) زنجیریں ہوں گی۔‘‘

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ. (الرحمٰن ۵۵: ۴۱)

’’مجرم وہاں اپنی علامت سے پہچان لیے جائیں گے، پھر پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑے جائیں گے (اور جہنم میں پھینک دیے جائیں گے)۔‘‘

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ، اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا. (الفرقان ۲۵: ۳۴)

’’جو لوگ اپنے مونھوں کے بل دوزخ کی طرف گھسیٹے جائیں گے، انھی کا ٹھکانا بہت برا ہے اور وہی سب سے بڑھ کر گم کردہ راہ ہیں۔‘‘

جب یہ لوگ جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس وقت اس کے بند دروازے کھولے جائیں گے۔ اس پر مقرر داروغے انھیں آڑے ہاتھوں لیں گے اور ملامت کرتے ہوئے اور کوسنے دیتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا، قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ. (الزمر ۳۹: ۷۱)

’’یہاں تک کہ جب وہ اس (جہنم) کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے داروغے ان سے کہیں گے: کیا تمھارے پاس تمھارے رب کی آیتیں سناتے اور اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوئے تمھی میں سے رسول نہیں آئے؟ وہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کہیں گے: ہاں، آئے تو سہی، لیکن کافروں پر کلمۂ عذاب پورا ہو کر رہا۔‘‘

جہنم کی بھاڑ میں جھونکے جانے سے پہلے مجرموں کی ہلکی پھلکی ’’تواضع‘‘ کا انتظام کیا جائے گا۔ یہ اس طرح ہوگا کہ انھیں گرم کھولتے ہوئے پانی میں سے گھسیٹتے ہوئے گزارا جائے گا۔ یہ ابتدائی ’’خاطر مدارات‘‘ ہی اتنی بھیانک ہوگی کہ ان کی طبیعت کے سارے کس بل نکال دے گی۔ اس کے بعد انھیں آگ کے الاؤ میں اس طرح ڈال دیا جائے گا جیسے بھڑکتے ہوئے کسی تنور میں گھاس پھوس ڈالی جاتی ہے:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ، یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ. (المومن ۴۰: ۷۱-۷۲)

’’جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور (ان کے پاؤں میں) زنجیریں ہوں گی، وہ گرم پانی میں گھسیٹے جائیں گے پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔‘‘

دوزخ میں مجرموں کے داخل ہوتے ہی جنتی انھیں آواز دے کر پوچھیں گے اور مقصد محض ان کی فضیحت ہوگا۔ وہ ان سے پوچھیں گے کہ خدا کے جن وعدوں کے لیے ہم نے بازیاں کھیلیں، انھیں تو ہمارے رب نے پورا کر دیا، تم بتاؤ، تمھاری سزا کی جو وعیدیں تھیں، کیا وہ بھی پوری ہوئیں؟ وہ اعتراف کریں گے تو ایک منادی کرنے والا پکار کر کہے گا: ’’اِن ظالموں پر خدا کی لعنت ہو‘‘۔ ان کی طرف سے خدا کی لعنت کا یہ جملہ اصل میں اس بات کا اعلان ہوگا کہ یہ لوگ خدا کی رحمت سے دور ہو چکے ہیں، اس لیے ان کے برے انجام کی ابتدا اب ہونے ہی کو ہے:

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا، قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ. (الاعراف ۷: ۴۴)

’’جنت کے لوگ دوزخ والوں کو پکار کر پوچھیں گے کہ ہم نے تو اُس وعدے کو بالکل سچا پایا جو ہمارے پروردگار نے ہم سے کیا تھا، کیا تم نے بھی اس وعدے کو سچا پایا جو تمھارے پروردگار نے (تم سے) کیا تھا؟ وہ جواب دیں گے: ہاں۔ پھر ایک پکارنے والا اُن کے درمیان پکارے گا کہ خدا کی لعنت اِن ظالموں پر۔‘‘

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.org

جاوید احمد غامدی

O

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کیا کیا ہوئی ہے ہم پہ عنایت کبھی کبھی
آئی ہے جب حضور کی ساعت کبھی کبھی

محفل میں اہتزاز کا ساماں بہت سہی
ملتی ہے قلب و روح کو لذت کبھی کبھی

گر کر اٹھے تو جادہ و منزل تھے سامنے
کھلتی ہے یوں بھی راہ ہدایت کبھی کبھی

یادش بخیر حضرت زاہد کہ جن کے ساتھ
رہتی تھی مہ رخوں سے بھی صحبت کبھی کبھی

دنیا نے دیکھ لی ہے قیامت بہ چشم سر
پوری ہوئی ہے جب تری حجت کبھی کبھی

وہ لوگ کیا ہوئے کہ سناتے تھے کو بہ کو
اک شہر آرزو کی حکایت کبھی کبھی

وہ روز و شب کہاں ، مگر کرتی ہے بے قرار
اب بھی خیال یار کی حدت کبھی کبھی

طفلی میں اک خیال تھی ، پھر جسم و جاں ہوئی
اک ماہ نیم ماہ کی صورت کبھی کبھی

اِس کے سوا کچھ اور بھی دنیا میں ہے کہیں
دیکھیں نا کر کے ترک محبت کبھی کبھی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com